عمِ نبوی زبیر بن عبد المطلب اور سیرتِ نبوی

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

سیرت وتاریخ کا سارے جہان اور تمام ادوار میں یہ المیہ رہا ہے کہ چند روایات اور گنتی کی احادیث پر شخصیت کی تصویر کشی اور عہد کی صورت گری کر لی جاتی ہے اور بہت سی روایات و آثار، واقعات واخبار اور احادیث وشواہد کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ بے خبری اور لاعلمی تو ایک بڑی وجہ ہوتی ہی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اصل مآخذ اور بنیادی مصادر کے رواۃ مؤلفین کے ہاں بھی یہ کمزوری پائی جاتی ہے اور متوسط وقدیم کے پہلو بہ پہلو جدید ومعاصر مورخین وسیرت نگار کا دامن بھی اس کمزوری سے پاک نہیں ہے۔ بے خبری اور لاعلمی سے زیادہ خطرناک اور زیادہ زہر آلود رجحان روایات واخبار کو نظر انداز کرنے یا روایات واخبار کو بلا چھان پھٹک قبول کر لینے کا ہے۔ بعض روایات کو نمایاں کرنے اور بعض کی طرف سے عدم التفات اور نظر اندازی کا میلان دراصل افراط وتفریط کا نتیجہ ہوتا ہے جس کا تعلق مورخ وسیرت نگار کے ذہنی میلانات اور تعصبات سے بھی ہوتا ہے۔

اسلامی تاریخ اور نبوی سیرت بھی ان کمزوریوں اور خامیوں سے محفوظ نہیں رہ سکی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ اور حیات طیبہ پر ہزارہا کتابیں اور رسائل ومقالات لکھے گئے ہیں اور تاقیام قیامت لکھے جاتے رہیں گے مگر ان میں سے بیشتر محض قدیم مآخذ کی نقل اور جدید کتب تحقیق کی نقالی ہوتے ہیں۔ بہت کم تجزیہ وتحلیل کے مراحل سے گذرتے اور اس کی کسوٹی پر کھرے اترتے ہیں۔ روایات کے قبول ورد کا معیار بھی غیر معروضی اور روایتی ہے۔ مشہور روایات خواہ وہ کتنی ہی بے وزن وبلاسند کیوں نہ ہوں سکۂ رائج الوقت ہو جاتی ہیں اور اسی معیار کی روایات کو محض تساہل، بے خبری یا ذہنی عصبیت کے سبب

نظر انداز کر دیا جاتا ہے حالانکہ وہ سیرت نبوی اور اسلامی تاریخ کے نئے حقائق و شواہد سامنے لاتی اور ان کے ادب کو مالامال کرتی ہیں[۱]۔

سیرت نبوی کے باب میں سیرت نگاران قدیم و جدید میں سے بیشتر کا رجحان طبع اور میلان تحریر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان بنو عبد مناف کے ضمن میں[۲] بالعموم اور آپ کے ایک حقیقی چچا زبیر بن عبد المطلب ہاشمی کے سلسلہ میں بالخصوص ابھر کر سامنے آتا ہے۔ ان کی غالب اکثریت زبیر بن عبد المطلب کو نظر انداز کرنے ہی میں اپنی عافیت تلاش کرتی ہے جبکہ نقال و متطفل (بقول ابن خلدون[۴]) مورخین و سیرت نگار کو ان کی خبر ہی نہیں ملتی۔ ہمارے جدید و معاصر سیرت نگاروں نے سیرت ابن ہشام کو اپنا مرجع و مصدر بنا کر ان کی روایات پر زبیر ہاشمی کے بارے میں کلی تکیہ کر لیا ہے حالانکہ یہی اہل علم و قلم دوسرے ابواب سیرت اور فصول تذکرہ میں ابن ہشام کے شارحین کرام اور دوسرے مصادر و مآخذ سے بھی استفادہ کرتے ہیں جن میں زبیر بن عبد المطلب کے بارے میں خاصی اہم تفصیلات اور سیرت نبوی میں ان کے کردار و حصہ پر وافر معلومات ملتی ہیں۔

جدید دور کی تمام متداول کتب سیرت میں خواہ وہ اردو، عربی، انگریزی یا کسی کسی زبان کی ہوں زبیر بن عبد المطلب کے تعلق سے کوئی مواد نہیں ملتا اور کسی کے ہاں اگر ایک آدھ حوالہ بھی ہے تو وہ سرسری سا ہوتا ہے جس کا کوئی اثر سیرت نبوی پر مرتب ہوتا ہوا نظر نہیں آتا۔ اردو میں شبلی نعمانی یا سید سلیمان ندوی ہوں یا سلیمان منصور پوری اور ادریس کاندھلوی یا ان حضرات کے خوشہ چیں دوسرے سیرت نگار کسی نے بھی زبیر بن عبد المطلب کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ یہی حال عربی میں عباس محمود عقاد، طٰہٰ حسین، محمد ابو زہرہ، وغیرہ بیشتر سیرت نگاروں کا ہے۔ انگریزی میں ولیم میور، مارگولیتھ، مونٹگمری واٹ وغیرہ اور دوسرے مستشرقین نے بھی تحقیق و تدقیق کے بلند بانگ دعووں کے باوجود اس موضوع کو تشنہ چھوڑ دیا[۳]۔

مستشرقین کو لاعلمی اور جہالت کے سبب معذور قرار دیا جا سکتا ہے مگر اردو عربی کے عالم و فاضل اہل قلم کے بارے میں کون سا محرک تلاش کیا جا سکتا ہے۔ روایت پرستی کے سوا ذہنی تعصبات و مسلکی میلانات بھی شاید اس کے پیچھے کار فرما ہیں ورنہ اصل مآخذ و مصادر تک رسائی رکھنے کے باوجود اس باب خاص میں تفریط کا شکار ہو جانے کی کوئی دوسری توجیہ

نہیں کی جاسکتی۔[۵]

اس مختصر مقالہ کا مقصد یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم ونظر انداز کردہ چچا کے بارے میں روایات کی چھان بین کرکے سیرت نبوی میں ان کا مقام متعین کیا جائے۔

نسب واصل

اگرچہ تمام ماہرین انساب اور سیرت وتذکرہ نگاروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبد المطلب بن ہاشم کے ایک فرزند زبیر بن عبد المطلب بھی تھے اور اس لحاظ سے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے تاہم باقی تفصیلات میں ان کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ابن اسحاق نے صرف عبد اللہ بن عبد المطلب اور ابوطالب بن عبد المطلب کو سگے بھائی قرار دیا ہے اور زبیر بن عبد المطلب کو نظر انداز کر دیا ہے۔ جبکہ ابن ہشام نے عبد اللہ، ابوطالب اور زبیر اور حضرت صفیہ کے سوائے تمام بہنوں کی ماں کا نام فاطمہ بنت عمرو بن عائذ مخزومی بنایا ہے۔ اس طرح ان تینوں کو حقیقی بھائی اور ابوطالب اور زبیر کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا تسلیم کرلیا ہے یہی بات بلاذری نے بھی لکھی ہے اور ان کے ہاں فرق یہ ہے کہ انھوں نے تینوں حقیقی بھائیوں کے ساتھ ساتھ ان کی حقیقی بہنوں۔ ام حکیم بیضاء، توأم عبد اللہ، عاتکہ، برہ، امیمہ اور اروی کے نام گنانے کے بعد ان کی ماں کا نام فاطمہ بنت عمرو مخزومی بتایا ہے۔ ابن سعد اور ابن حزم نے اولاد عبد المطلب میں حضرت عبد اللہ کا ذکر کرکے کہا کہ تمام شرف انھیں میں تھا (فیہ الشرف کلہ) پھر ابوطالب اور زبیر کا نام لیا ہے۔ ابن حزم نے مذکورہ بالا مورخین وماہرین انساب سے ان کی والدہ ماجدہ کے نام پر اختلاف کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان کا اصل نام عاتکہ بنت عمرو بن عامر بن عمران ہے اور وہ قبیلہ کی فردتھیں اور ابن ہشام وغیرہ کے بیان کردہ نام ونسب سے اختلاف کیا ہے۔ محمد بن حبیب بغدادی نے عبد المطلب ہاشمی کے ایک پوتے حضرت قرہ بن حجل بن عبد المطلب کا ایک قصیدہ خلافت صدیقی کے معرکۂ اجنادین ۱۳ھ کے حوالہ سے نقل کیا ہے جس میں انھوں نے اپنے تمام چچاؤں پر فخر کیا تھا کہ ان جیسا کوئی نہ تھا اور ان میں زبیر بن عبد المطلب کو بھی گنایا ہے۔ پھر بغدادی نے عبد المطلب کی اولاد میں زبیر، مقوم اور حجل کی اولاد صلبی کا ذکر کرکے ان کے ہلاک ہونے کا حوالہ دیا ہے۔[۶]

ابن ہشام نے جو نام و نسب اولاد عبد المطلب کا بیان کیا ہے وہ بعد کے بیشتر مورخین اور سیرت نگاروں کے ہاں پایا جاتا ہے اور ان میں سے کئی نے اس میں بھی کتر بیونت کر کے نام و نسب کو مجہول، ناقص یا نامکمل بنا دیا ہے یا زبیر بن عبد المطلب کو سرے سے نظر انداز کر دیا ہے جیسے شبلی نعمانی[۷] ادریس کاندھلوی نے ایک قدم مزید بڑھا کر اولاد عبد المطلب میں براہِ راست عبد اللہ کے بارے میں تفصیل دینے کو کافی سمجھا اور تمام دوسرے فرزندوں اور دختروں کا ذکر نہیں کیا[۸] یہی حال متعدد دوسرے سیرت نگاروں کا ہے[۹] بہر حال قاضی سلیمان منصور پوری اس باب میں امتیاز و فضیلت رکھتے ہیں کہ نہ صرف انھوں نے نسب نبوی پر مفصل کلام کیا ہے بلکہ اولاد عبد المطلب میں زبیر کا بھی خاصا اہم ذکر کیا ہے اگرچہ انھوں نے بھی ابن ہشام کی روایت ان کی والدہ کے بارے میں قبول کر لی ہے[۱۰]

جن قدیم و جدید مورخین اور ماہرین انساب نے زبیر بن عبد المطلب کا ذکر کیا ہے ان میں سے کسی نے بھی ان کی تاریخ ولادت کے بارے میں ایک حرف نہیں لکھا ہے البتہ بعض نے یہ کہا ہے کہ زبیر عبد المطلب کے دوسرے بڑے فرزند تھے اور حارث فرزند اکبر تھے اور ان کے نام پر ہی عبد المطلب کی کنیت ابوالحارث تھی اور زبیر ابو طالب اور عبد اللہ سے بڑے تھے۔ ان کی ممکنہ تاریخ پیدائش بعض دوسرے شواہد و واقعات سے متعین کی جا سکتی ہے۔ چونکہ ان کے حقیقی چھوٹے بھائی عبد اللہ کا انتقال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے سال عام الفیل میں دو ماہ قبل ہوا تھا اور اس وقت ان کی عمر ترجیحی طور سے پچیس[۲۵] سال تھی۔ لہٰذا زبیر بن عبد المطلب لازمی طور سے عام الفیل سے پچیس[۲۵] سال (۵۴۶ء) سے کافی پہلے پیدا ہو چکے تھے۔ عبد اللہ سے بڑے اور زبیر سے چھوٹے بھائی ابو طالب نے روایات کے اتفاق کے مطابق ۱۰ نبوی (۲۰-۶۱۹ء) میں لگ بھگ پچاسی سال میں وفات پائی جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف پچاس سال تھی۔ اس لحاظ سے ان کی عمر آپ سے پینتیس سال زیادہ تھی۔ لہٰذا زبیر بن عبد المطلب کی تاریخ ولادت ۵۳۵ء سے قبل ٹھہرتی ہے کہ یہ سنۂ ولادت ابو طالب کا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ ایک دو سال یقیناً ان سے بڑے رہے ہوں گے لہٰذا ان کا سنۂ پیدائش لگ بھگ ۵۳۳ء ٹھہرتا ہے گویا ان کی عمر سن نبوی سے سینتیس[۳۷] سال زیادہ رہی تھی[۱۱] جبکہ ان کی ولادت کے وقت ان کے والد ماجد عبد المطلب بن ہاشم کی عمر لگ بھگ پینتیس چھتیس سال رہی تھی

کیونکہ ان کا انتقال مکہ مکرمہ میں ۵۵۷ء میں اسی پچاسی سال کی عمر میں ہوا تھا۔[۱۲] ظاہر ہے کہ یہ سارا حساب ریاضی کے قاعدہ کے مطابق تخمینی ہے اور اس میں دو چار سال کا فرق ہو سکتا ہے لیکن ان تمام بزرگوں کی عمروں اور ان کی تاریخ ہائے ولادت کا قریب صحیح تخمینہ یہی ہو سکتا ہے۔

ولادت کے بعد سے اپنے انتقال تک زبیر بن عبد المطلب ہاشمی نے اپنی پوری عمر مکہ مکرمہ میں بسر کی۔ ان کی رضاعت و کفالت اور پرورش و پرداخت کے بارے میں ہماری معلومات صفر ہیں۔ لیکن قرائن اور روایات کے استنباط سے بہر حال یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے والد عبد المطلب بن ہاشم ان کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ انھوں نے اپنے دوسرے فرزندوں اور دختروں کی مانند ان کی پرورش و پرداخت کی تھی اور ان کو کارزارِ حیات میں زندگی بسر کرنے کے ڈھنگ سکھائے تھے۔ سنِ رشد کو پہونچنے کے بعد انھوں نے بھی قومی اور خاندانی پیشہ تجارت اپنا لیا تھا اور جیسا کہ بعد میں ہم دیکھیں گے وہ مکہ مکرمہ اور قریش کے دوسرے حوصلہ مند نوجوانوں کی مانند قومی اور علاقائی تجارت سے آگے بڑھ کر بین الاقوامی تجارت میں حصہ لینے لگے تھے۔ پھر اپنے بڑے بھائی حارث بن عبد المطلب کے مرنے کے بعد اپنے والد ماجد کے فرزند اکبر اور جانشین بن گئے۔ حارث دوسری ماں سے تھے اور ان کا نام صفیہ یا سمراء بنت جندب بن حجیر تھا اور وہ قبیلہ ہوازن کے خانوادہ عامر بن صعصعہ سے تھیں۔ حارث بن عبد المطلب ہاشمی کے متعدد فرزند و دختر تھے جن کا ذکر کتب سیرت و سوانح میں ملتا ہے اور ان میں سے کئی کو بعد میں صحابیت کا شرف بھی حاصل ہوا۔[۱۳]

سیرت نبوی سے متعلق دوسرا حوالہ زبیر بن عبد المطلب کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد عبد اللہ بن عبد المطلب کی وفات کے ضمن میں ملتا ہے۔ متعدد قدیم سیرت نگاروں کا بیان ہے کہ جب حضرت عبد اللہ کی شام سے واپسی ہوئی اور راستے میں ان کی طبیعت خراب ہوئی تو ان کے تاجر رفقاء نے ان کے علاج معالجے کے لیے ان کو ان کے ننہالی رشتہ داروں بنو النجار/خزرج کے پاس مدینہ منورہ میں چھوڑ دیا اور خود مکہ مکرمہ جا کر عبد المطلب ہاشمی کو ان کی خبر دی۔ جناب عبد المطلب نے اپنے فرزند زبیر بن عبد المطلب کو اپنے حقیقی چھوٹے بھائی کی تیمارداری اور خبر گیری کرنے کے لیے مدینہ منورہ بھیجا۔ ان کے پہونچنے کے بعد ہی عبد اللہ کا انتقال ہو گیا اور زبیر نے ان کی تجہیز و تدفین کی اور پھر ان کا مالِ تجارت اور باقی ترکہ

لے کر واپس مکہ مکرمہ پہونچے اور اہل خاندان کو حادثہ فاجعہ کی اطلاع دی[۱۴]۔ ابن ہشام نے ان کی وفات کا تو ذکر کیا ہے لیکن مقام، تدفین وغیرہ کی دوسری تفصیلات نہیں دی ہیں اور نہ ہی ان کے کسی بھائی کا ذکر کیا ہے[۱۵]۔ بعد کے مؤلفین سیرت خاص کر شبلی نعمانی اور ادریس کاندھلوی وغیرہ نے بیمار عبداللہ کی خبر گیری کرنے کے لیے عبدالمطلب کے بڑے فرزند حارث کے بھیجے جانے کا ذکر کیا ہے[۱۶]۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ حارث بن عبدالمطلب کا انتقال عبدالمطلب سے پہلے ہی ہوگیا تھا۔ بلاذری کی روایت ہے کہ "جس سال عبدالمطلب نے (نذر پوری کرنے کے لیے) اونٹ ذبح کیے حارث کا انتقال ہوگیا جبکہ ان کے فرزند ربیعہ کی عمر دو سال تھی"۔ پھر واقدی کی روایت نقل کی ہے کہ اونٹوں کی قربانی واقعہ فیل سے پانچ سال قبل ہوئی تھی اور ربیعہ بن حارث کی عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سات سال زیادہ تھی[۱۷]۔ اس حساب سے حارث کی موت کا سن ۵۶۱ء/۵۶۵ء ٹھہرتا ہے اور عبداللہ کی وفات اس سے پانچ سال قبل ہو چکی تھی۔

غالباً سب سے اہم معاملہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت و پرورش کا ہے۔ عام اور مشہور روایت یہ ہے کہ عبدالمطلب کی وفات کے بعد ابوطالب بن عبدالمطلب ہاشمی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت اور دیکھ بھال کی اور اس سلسلہ میں دو دلائل دئے جاتے ہیں اول یہ کہ ابوطالب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا اور آپ کے والد ماجد کے سگے بھائی تھے اور دوم یہ کہ عبدالمطلب نے کفالت نبوی کی وصیت اسی حقیقی رشتے کے سبب ابوطالب کو کی تھی۔ شبلی نعمانی کا بیان ہے: "عبدالمطلب کے دس بیٹے مختلف ازواج سے تھے ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ اور ابوطالب ماں جائے بھائی تھے۔ اس لیے عبدالمطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوطالب ہی کے آغوش تربیت میں دیا"۔ قاضی سلیمان منصورپوری بھی عمومی روش میں بہہ گئے کہ "ابوطالب آنحضرت ﷺ کے چچا تھے اور آپ کے والد عبداللہ کے حقیقی بھائی، اب وہ آنحضرت کی نگرانی اور تربیت کے ذمہ دار بنے"۔ ادریس کاندھلوی نے شبلی نعمانی کی کامل پیروی کی ہے۔ ابوطالب چونکہ حضرت عبداللہ کے حقیقی اور عینی بھائی تھے اس لیے عبدالمطلب نے مرتے وقت آپ کو ابوطالب کے سپرد کیا اور یہ وصیت کی کہ کمال شفقت اور غایت محبت سے ان کی کفالت و تربیت کرنا"۔ یہی بات مختلف الفاظ میں سید مودودی، سید ندوی صفی الرحمن مبارکپوری وغیرہ متعدد اہل قلم نے لکھی ہے[۱۸]۔ غالباً ان سب کا اصل ماخذ ابن اسحاق

ابن ہشام کی سیرت ہے جس کا بیان یہ ہے کہ "عبدالمطلب کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ رہے اور جیسا کہ راویوں کا گمان ہے کہ عبدالمطلب نے آپ کے بارے میں آپ کے چچا ابو طالب کو وصیت کی تھی اور ایسا اس بنا پر تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ اور ابو طالب دونوں ایک ماں باپ (کے بطن سے ہونے کے سبب) سگے بھائی تھے اور ان دونوں کی ماں فاطمہ بنت عمرو.... مخزومی تھیں۔" اس کے بعد ابن اسحاق کا ایک قول مزید نقل کیا ہے کہ ابو طالب ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دیکھ بھال آپ کے دادا کے بعد کرتے تھے۔ آپ ان ہی کی ذمہ داری میں اور ان ہی کے ساتھ رہے۔"[19] روایت میں وصیتِ پدری کا ذکر جن الفاظ میں آیا ہے وہ روایت کے ضعف کی طرف واضح اشارہ کرتے ہیں اور پھر اس میں یہ مغالطہ بھی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ اور ابو طالب ہی دو حقیقی بھائی تھے اور ان کے علاوہ کوئی اور نہ تھا۔ جبکہ اس سے قبل خود ابن اسحاق/ابن ہشام کی روایت کی تصدیق گزر چکی ہے کہ تین بھائی بشمول زبیر ایک ماں باپ کی اولاد تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ سارا کاروبارِ تحقیق اور سلسلۂ تالیف زبیر بن عبدالمطلب کو اس سعادتِ عظمیٰ سے محروم کر رہا ہے جو تقدیرِ الٰہی نے ان کے نصیب میں لکھ دی تھی۔

ابن اسحاق/ابن ہشام کی بلا سند روایت اور ضعیف ماخذ کے مقابلہ میں زیادہ قوی روایات اور زیادہ محکم ماخذ زبیر بن عبدالمطلب کی کفالتِ نبوی کی حقیقت ثابت کرتے ہیں۔ بلاذری نے اپنے تمام راویوں (قالوا۔ سب نے کہا) کی سند پر بیان کیا ہے کہ جب عبدالمطلب کا وقتِ موعود آگیا تو انھوں نے اپنے تمام فرزندوں اور اولادوں کو جمع کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں وصیت کی۔ زبیر بن عبدالمطلب اور ابو طالب عبداللہ کے ماں باپ جائے بھائی (سگے بھائی) تھے اور زبیر ان دونوں سے بڑے تھے لہٰذا زبیر اور ابو طالب نے قرعہ اندازی کی کہ کون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کرے گا۔ قرعہ ابو طالب کے نام کا نکلا۔ لہٰذا انھوں نے یہ ذمہ داری اٹھائی اور کہا جاتا ہے کہ قرعہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زبیر کے نصیب میں ڈال دیا تھا اور وہ آپ کے دونوں چچاؤں میں زیادہ مہربان (الطف) تھے اور کہا جاتا ہے کہ عبدالمطلب نے اپنے بعد ان کو آپ کی کفالت کی وصیت کی تھی۔ بعض نے یہ روایت کی ہے کہ زبیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کی یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا پھر ابو طالب نے ان کے بعد آپ کی

کفالت کی اور یہ غلط ہے کیونکہ زبیر حلف الفضول میں موجود تھے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچیس سال (نیف وعشرون سنۃ) تھی۔ علماء کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ عبد المطلب کی وفات کو پانچ سال بھی نہیں گزرے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو طالب کے ساتھ شام گئے تھے[۲۰]

بلاذری نے کفالتِ نبوی کے بارے میں کئی روایات نقل کردی ہیں اور زیادہ ترجیح ابو طالب کی کفالت ثابت کرنے کی روایت کو دی ہے اور بجا طور سے وفات زبیر بن عبد المطلب کے بعد کفالت ابی طالب کی روایت / قول کو غلط قرار دیا ہے تاہم صحیح صورت حال ان کی روایت سے بھی نہیں ابھرتی۔ یہ کام سہیلی، ابن کثیر اور بعض دوسرے سیرت نگاروں نے انجام دیا ہے۔ حلبی نے وضاحت کی ہے کہ قرعہ ڈالنے کے بعد دونوں نے طے کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت ساتھ ساتھ کریں۔ لہٰذا زبیر بن عبد المطلب اور ابو طالب دونوں نے مل کر آپ کی کفالت کی۔ اس روایت کو بعض شواہد و قرائن تقویت پہونچاتے ہیں اور ان میں سب سے اہم یہ ہے کہ زبیر و ابو طالب دونوں آپ کے حقیقی چچا تھے اور دونوں کو اپنے محبوب بھائی کے یتیم بلکہ دریتیم فرزند سے بہت محبت تھی۔[۲۱] ابن کثیر نے اموی کی روایت نقل کی ہے جو عثمان بن عبد الرحمان الوقاصی کے واسطہ سے زہری اور ان سے حضرت سعید بن المسیب تک پہونچتی ہے کہ انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت و رضاعت کا واقعہ محمد بن اسحاق کے سیاق کے خلاف بیان کیا ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کی کفالت آپ کے والد کے دونوں حقیقی بھائیوں زبیر اور ابو طالب نے کی اور چودہ سال کی عمر شریف تک آپ زبیر کی کفالت میں رہے، پھر ابو طالب کی کفالت خاص میں آگئے کہ زبیر کی وفات ہو گئی تھی۔ اوپر یہ صراحت گزر چکی ہے کہ ان کی وفات کافی بعد میں ہوئی تھی۔[۲۲]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت زبیر بن عبد المطلب کی تائید کرنے کی مزید روایات اور قرائن میں سے ایک یہ ہے کہ زبیر بن عبد المطلب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا محبت کرتے تھے اور بچپن میں آپ کو جھولا جھلاتے، اور لوری سناتے تھے لوری کے الفاظ راویوں نے یہ نقل کیے ہیں: محمد بن عبدم، عشت بعیش اُنعم، فی دولۃ ومغنم، دام سجین الازلم۔ ابن حبیب بغدادی نے دوسرا تیسرا شعر مختلف نقل کیا ہے: لازلت فی عیش عم، ودولۃ ومغنم یغنیک عن کل النعم وعشت حتی تہرم۔ روایت میں مزید آتا ہے کہ زبیر قریش کے ظریف ترین

نوجوانوں میں سے تھے اور آپ کو بہت ہنساتے اور گدگداتے تھے۔ غرضکہ وہ بچوں کی تربیت و پرورش اور دلبستگی و دلدہی کے تمام طریقے جانتے تھے جو عام طور سے معروف و معلوم ہیں اور اختیار کیے جاتے ہیں۔[۲۳]

بلاذری وغیرہ مورخین نے بیان کیا ہے کہ عبد المطلب بن ہاشم کی وفات کے وقت باپ نے زبیر کو ہی اپنا وصی مقرر کیا تھا اور اس سلسلہ میں ایک اہم واقعہ یہ بیان کیا ہے کہ جب خزاعہ کے خلاف عبد المطلب ہاشمی کے ننہالی رسسرالی رشتہ دار قبیلہ خزرج کے بنو النجار نے فوجی امداد دے کر عبد المطلب کو ملکی سیاست وسماج میں ان کا کھویا ہوا مقام دلا دیا تو بنو عمرو بن لحی کے اہم سرداروں نے عبد المطلب سے حلف کا معاہدہ کرلیا۔ یہی وہ بنو خزاعہ کے ساتھ خاندان عبد المطلب کا مشہور معاہدہ تھا جس نے بعد میں صلح حدیبیہ کے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو خزاعہ کا حلیف بنایا تھا۔ عبد المطلب ہاشمی نے نہ صرف معاہدہ کیا بلکہ اپنے فرزند زبیر کو وصیت بھی کی کہ اس معاہدہ کا ہمیشہ خیال و لحاظ رکھیں۔ اس ضمن میں بلاذری نے عبد المطلب کے تین اشعار بھی نقل کیے ہیں۔ وصیت کی جاہلی روایت کا سلسلہ خاندان عبد المطلب میں نسل در نسل جاری رہا۔ زبیر نے اپنے بعد اپنے حقیقی بھائی ابوطالب کو اپنا وصی بنایا اور بعد میں ابوطالب نے حضرت عباس کو وصی مقرر کیا۔[۲۴]

اسی وصیت پدری کی بنا پر مرحوم کے بعد سرداری اور اس کے مناصب کا استحقاق اس کے وصی کو حاصل ہوتا تھا۔ ابن اسحاق وابن ہشام کے اس نامکمل اور ادھورے بیان نے بہت سوں کو گمراہ کیا ہے کہ جب عبد المطلب فوت ہوئے تو زمزم اور سقایہ کے والی ان کے بعد عباس بن عبد المطلب بنے حالانکہ اس وقت وہ اپنے بھائیوں میں عمر کے لحاظ سے سب سے خوردوں میں تھے اور اسلام آنے تک وہ ان ہی کے ہاتھ میں رہا۔"[۲۵] ابن اسحاق نے "عباسی طرفداری" اور "حمایت حکمراں خاندان" کے جوش میں عبد المطلب سے عباس بن عبد المطلب تک سقایہ اور زمزم کے عہدے کی منتقلی کی بیچ کی کڑیاں چھوڑ دی ہیں۔ اس لیے یہ بیان ناقص ہے اور رفادہ کے عہدے کے بارے میں سکوت اختیار کرلیا جب کہ اس کا ذکر ضروری تھا اسی سے پوری حقیقت سامنے آئی۔ بعد کے مورخین اور سیرت نگاروں نے ان دونوں مؤلف ومہذب پر مزید تحقیق کے بغیر کلی اعتماد کرلیا۔[۲۶]

اصل واقعہ وہ ہے جو ازرقی، بلاذری اور بعض دوسرے سیرت نگاروں نے بیان کیا ہے۔ بلاذری کی روایت ہے کہ "بنو عبد مناف نے رفادہ وسقایہ کے لیے قرعہ اندازی کی تو دونوں ہاشم بن عبد مناف کے نام ہو گئے۔ پھر ان کے بعد مطلب بن عبد مناف کو وصیت کے سبب ملے۔ پھر عبد المطلب کو، پھر زبیر بن عبد المطلب کو، پھر ابو طالب کو ملے۔ لیکن ان کے پاس مال نہ تھا تو انھوں نے اپنے بھائی عباس بن عبد المطلب سے دس ہزار درہم قرض لے کر خرچ کیے۔ دوسرے سال پھر پندرہ یا چودہ ہزار درہم مانگے تو عباس نے کہا کہ رقم تو حاضر ہے لیکن پچھلی ہی آپ نے ادا نہیں کی لہٰذا سقایہ ورفادہ میرے حوالے کیجئے لہٰذا تیسرے سال دونوں عباس کو مل گئے۔ اور عباس نے اپنا ادھار چھوڑ دیا۔"[۲۷] تقریباً یہی روایت بعض دوسرے مورخین مکہ مکرمہ اور سیرت نگاران نبوی کے ہاں ملتی ہے۔ یہ روایت درایت کے لحاظ سے بھی قوی ہے کیونکہ عبد المطلب کے وصی کی حیثیت سے زبیر بن عبد المطلب ہاشمی اس کے زیادہ مستحق تھے اور پھر ان کی عمر وتجربہ اور قدر ومنزلت بھی زیادہ تھی۔ ان کے بعد ابوطالب بھی اپنی عمر اور مقام ومرتبہ اور شیخ خاندان ہونے کے سبب اس کے مستحق بنے تھے۔ حضرت عباس بن عبد المطلب کی وفات کے وقت محض بارہ سال کے تھے لہٰذا ان کے سقایہ کے منصب دار بننے کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ پھر رفادہ کا زبیر بن عبد المطلب کی وفات کے بعد بنو ہاشم سے نکل کر بنو نوفل میں چلا جانا بھی اس روایت کو مزید تقویت پہونچاتا ہے۔

اسی بنا پر متعدد مورخین نے زبیر بن عبد المطلب ہاشمی کو "حکام قریش" میں شمار کیا ہے۔ ان میں شیعی مورخ یعقوبی کا بیان ہے کہ قریش کے کئی حکام تھے ان میں عبد المطلب (ہاشمی) حرب بن امیہ (اموی) زبیر بن عبد المطلب، (ہاشمی) عبد اللہ بن جدعان (تیمی) اور ولید بن مغیرہ مخزومی تھے جبکہ فاکہی نے عہد جاہلی کے قریش مکہ کے کام کی قبیلہ وار فہرست میں بنو ہاشم سے عبد المطلب بن ہاشم اور ان کے دو فرزندوں زبیر اور ابو طالب کو شمار کیا ہے اور بنو امیہ سے حرب بن امیہ اور ان کے فرزند ابو سفیان کے علاوہ بنو زہرہ، بنو مخزوم، بنو سہم اور بنو عدی کے "حکام" کا ذکر کیا ہے۔ فاکہی نے مزید وضاحت کر دی ہے کہ ان میں سے کوئی دوسروں پر بادشاہ (متملکا) نہیں، بلکہ وہ قریش کی باہمی رضا سے حکومت کرتے تھے۔ بہر کیف زبیر بن عبد المطلب کے ایک "حاکم قریش" ہونے کا ذکر دوسروں نے بھی صراحتاً،

اشارتاً یا ضمناً کیا ہے۔

غالباً اسی حکومت وریاستِ قریش کا معاملہ تھا کہ جب عہد جاہلیت میں کعبہ میں رکھے ہوئے طلائی غزالوں کی چوری ہوئی تو اس مسئلہ پر غور وخوض کرنے کے لیے مجلس قریش بیٹھی جس میں عبداللہ بن جدعان تیمی نے قریش کو سخت سست کہا اور چوری کا الزام انھیں پر لگایا۔ اس پر حفص بن مغیرہ نے عبداللہ بن جدعان سے کہا کہ تم نے کافی کہہ لیا حالانکہ وہ اس کے مستحق ترین نہ تھے کیونکہ وہ عبدالمطلب کے غزال تھے اور یہ زبیر بن عبدالمطلب اور ابوطالب موجود ہیں مگر کچھ نہیں کہہ رہے ہیں اور ابولہب میرے پاس خلوت میں ہیں۔ اس پر زبیر اور ابوطالب کو غصہ آیا اور انھوں نے عبداللہ بن جدعان سے کہا کہ تم تو اس طرح کہہ رہے ہو جیسے چور کو جانتے ہو۔ اللہ کی قسم ہم اس کا پتہ لگائیں گے اور اگر اسے پکڑ لیا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیں گے۔ بہرحال یہ معاملہ کچھ ماہ تک ایسا ہی لٹکا رہا اور ایک دن عباس بن عبدالمطلب بنوسہم کے گھروں سے گذرے تو وہاں گانے بجانے کی آوازیں آئیں اور ان میں غزال کعبہ کا ذکر بھی تھا۔ عباس نے ابوطالب کو آکر خبر دی اور ابوطالب، زبیر، ابن جدعان، مخرمہ بن نوفل اور عوام بن خویلد وہاں گئے اور چوروں کی شناخت کرلی اور پھر معاملہ نپٹایا گیا جسے کافی تفصیل سے ابن حبیب بغدادی نے بیان کیا ہے۔ اسی میں احلاف کے خلاف مطیبون کے معاہدے میں زبیر بن عبدالمطلب کی شرکت کا بھی کافی اہم ذکر ہے جس کے مطابق احلاف نے ان کو پچاس اونٹ دئے تھے۔[۲۸]

خاندان عبدالمطلب کی سربراہی اسی وصیتِ پدری کے سبب زبیر بن عبدالمطلب کے حصہ میں آئی تھی اور جب تک وہ زندہ رہے اپنے خاندان بنوعبدالمطلب کے سربراہ اور خاندان بنوعبدمناف کے ایک عظیم ترین قائد اور قبیلہ قریش کے ایک عظیم ترین سردار رہے۔ اس کا واضح ذکر جنگِ فجار کے ضمن میں کئی مورخین اور سیرت نگاروں کی روایتوں سے ہوتا ہے جو ۵۹۱ء میں ہوئی تھی جبکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک بیس سال تھی اور جس میں خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور ایک مجاہد وسپاہی حصہ لیا تھا۔ ابن ہشام اور ان کے ماخذ ابن اسحاق نے پھر اس موقع پر اجتناب وگریز سے کام لے کر صرف یہ بیان کیا ہے کہ جنگ کے فریقین ـــ قریش وکنانہ ـــ کے ہر قبیلہ کا ایک رئیس تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعض معرکوں میں شرکت کی اور آپ کو آپ کے چچا

(اعمام) اپنے ساتھ لے گئے تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قول کے مطابق صرف دشمنوں کے تیروں کو ان سے دور رکھتے تھے جبکہ قائد قریش و کنانہ حرب بن امیہ بن عبد شمس تھے... [۲۹] بعض جدید سیرت نگاروں نے اس واقعہ کا ذکر ہی نہیں کیا جیسے سلیمان منصور پوری، اور بعض نے ابن ہشام کی کامل پیروی کی ہے جیسے ادریس کاندھلوی اور دوسرے گروہ کے لوگوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شرکت جنگ کی عجیب و غریب تاویلات کی ہیں اور ان کے لیے بعض قدیم سیرت نگاروں کی ذاتی رائے اور تبصرہ کو اپنا معیار قبول بنایا ہے۔[۳۰]

جنگ فجار کے بارے میں دوسرا بیان بلاذری اور بعض دوسرے سیرت نگاروں اور مورخوں کا ہے جو ابن اسحاق و ابن ہشام کے تشنہ بیان کو مکمل کرتا ہے۔ بلاذری کے مطابق راویوں کا کہنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ فجار کے معرکۂ نخلہ نامی میں اپنے چچاؤں (عمومتہ) کے ساتھ شریک ہوئے جو فجار کا سب سے بڑا معرکہ تھا"... آگے چل کر بلاذری نے جنگ کے دوسرے معرکہ یوم شمطہ کا ذکر ان کے قائدین کے نام سے کیا ہے کہ بنی ہاشم کے امیر زبیر بن عبد المطلب تھے اور بنو عبد شمس اور ان کے حلیفوں کے حرب بن امیہ اور اسی طرح قبیلہ وار تمام حکام و امراء قریش کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ کہا جاتا ہے (یقال) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں معرکوں میں اپنے چچاؤں (عمومتہ) کے ساتھ شرکت کی۔ وہ ان کی حفاظت کرتے اور ان کو تیر دیتے رہے۔ مجھے زہری کی روایت یہ پہونچی ہے کہ اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ نہ تھے کہ اگر آپ ان کے ساتھ ہوتے تو وہ ضرور فتح یاب ہوتے۔ البتہ آپ ان کے ساتھ (تیسرے معرکہ) عکاظ میں تھے جس میں فتح نے قریش کے قدم چومے۔ جبکہ ابن الکلبی کے مطابق یوم فتح معرکۂ نخلہ تھا۔ اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بیس سال یا اس سے زیادہ (اشف) تھی اور جن لوگوں نے آپ کی عمر چودہ سال بتائی وہ غلط ہے۔ اس کے بعد بلاذری نے اپنی بات کی دلیل دی ہے۔ شبلی نعمانی کے شرف کی بات ہے کہ انھوں نے اس موقع پر زبیر بن عبد المطلب کی موجودگی تسلیم کی ہے اگرچہ اس میں بھی تھوڑی سی کھوٹ ہے۔[۳۱]

سلسلۂ کلام کے ربط و تسلسل کو قائم کرنے کی خاطر جنگ فجار کا واقعہ ذرا پہلے

آگیا ورنہ اصل کلام زمانی ترتیب کے لحاظ سے کفالتِ نبوی کے سلسلہ میں ہو رہا تھا۔ مورخین و سیرت نگاروں کی غالب اکثریت چونکہ صرف ابوطالب کی کفالت نبوی کی قائل ہے اس لیے وہ زبیر بن عبدالمطلب کی کفالت اور اس کے جملہ واقعات کو نظر انداز کر دیتی ہے۔ لڑکپن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قومی تجارت کے مشغلہ سے تعارف اور بین الاقوامی تجارت میں شرکت کرنے کا ایک واقعہ تمام مورخین اور سیرت نگاروں کے ہاں متفقہ طور سے مقبول ہے اور وہ یہ کہ بارہ سال کی عمر شریف میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ شام یا اس کے سرحدی شہر بصریٰ تجارت کرنے کی خاطر گئے تھے[۳۲]

جن محدثین اور مورخین اور سیرت نگاروں نے زبیر بن عبدالمطلب کی کفالتِ نبوی کا ذکر کیا ہے انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اور سفرِ تجارت کا ذکر کیا ہے جو آپ نے چودہ سال کی عمر میں زبیر بن عبدالمطلب کے ساتھ یمن کی طرف کیا تھا۔ حافظ ابن کثیر نے اس سفرِ نبوی کی تفصیل بیان کی ہے۔

دیار بکری نے ۱۶ نبوی کے حوادث میں آپ کے اس سفرِ یمن کا ذکر کیا ہے کہ زبیر بن عبدالمطلب یا عباس بن عبدالمطلب نے اس برس یمن کا ارادہ کیا اور تیاری کر لی تو ابوطالب سے درخواست کی کہ وہ ان کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بھیج دیں تاکہ آپ کی موجودگی سے ان کو بھی وہی برکت حاصل ہو لہٰذا ابوطالب نے آپ کے چچا کے ساتھ آپ کو یمن کے سفر پر بھیج دیا اور جس کے دوران انھوں نے بہت سے معجزات و خوارق کا مشاہدہ کیا یہی روضۃ الاحباب میں لکھا ہے۔ ابن حبیب بغدادی نے زبیر بن عبدالمطلب کے ایک سفرِ طائف کا بھی حوالہ دیا ہے لیکن اس کا سبب نہیں بتایا۔ یہ حوالہ دار الندوہ میں منعقد ہونے والی ایک مجلس بنی قصی کے حوالہ سے ہے کہ اس میں ایک سہمی شخص بھی شامل ہونا چاہتا تھا مگر جب اسے اجازت نہ ملی تو اس (ابن الزبعریٰ) نے ایک ہجویہ شعر اس کے دروازے پر لکھ دیا۔ عتبہ بن ربیعہ نے اس معاملہ کا تصفیہ زبیر کے بغیر نہیں کرنا چاہا کہ وہ اہم شخص تھے۔ تجارتی اور دوسرے معاشرتی اغراض سے ندیمی کے باب میں زبیر کو مالک بن حیلہ بن السباق بن عبدالجبار کا ندیم بتایا ہے[۳۳]

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت خدیجہ بنتِ خویلد اسدی سے شادی کی تقریب میں بالعموم سیرت نگاروں نے صرف حضرت حمزہ اور ابوطالب کی شرکت کا ذکر کیا ہے لیکن

ان کے بیانات و روایات میں دوسرے اعمام کا اجمالی ذکر موجود ہے جو اس موقع شادی پر زبیر بن عبدالمطلب کی موجودگی کو یقینی بناتا ہے۔ ابن اسحاق / ابن ہشام کا بیان ہے کہ جب حضرت خدیجہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن کردار اور حسن عمل سے متاثر ہو کر شادی کی تجویز رکھی تو "آپ نے اس کا ذکر اپنے چچاؤں سے کیا اور آپ کے ساتھ آپ کے چچا حمزہ بن عبدالمطلب گئے اور خویلد بن اسد کے پاس پہونچ کر ان کو پیغام دیا اور اس نے حضرت خدیجہ کی شادی کر دی"۔ بلاذری کے بیان میں حضرت حمزہ کے ساتھ ابوطالب کا بھی اضافہ ہے کہ "حضرت خدیجہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا تو آپ کے ساتھ حمزہ بن عبدالمطلب اور ابوطالب تھے۔ کھانے پینے کے بعد حضرت خدیجہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ وہ ابوطالب کو ان کا پیغام دینے کے لیے کہیں چنانچہ ابوطالب نے عمرو بن خویلد کو پیغام دیا اور اس نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیاہ دیا۔ یہ کلبی کی روایت ہے۔ جس میں دوسرے اعمام کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن واقدی کی روایت میں ہے کہ حضرت خدیجہ کی تجویز کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شادی کرنے گئے تو آپ کے چچا حمزہ اور ابوطالب کے علاوہ دوسرے چچا (وغیرھا من عمومتہ) بھی موجود تھے شبلی نعمانی نے بھی حضرت زبیر کی موجودگی کا مضمراً ذکر یوں کیا ہے کہ "تاریخ معین پر ابوطالب اور تمام رؤسائے خاندان جن میں حضرت حمزہ بھی تھے حضرت خدیجہ کے مکان پر آئے، ابوطالب نے خطبۂ نکاح پڑھا اور پانچ سو طلائی درہم مہر قرار پایا"۔ ادریس کاندھلوی نے شبلی نعمانی کا پورا بیان معہ الفاظ نقل کر دیا ہے۔ سلیمان منصورپوری نے کسی چچا کا حوالہ نہیں دیا۔ اگرچہ اس تقریب انبساط میں زبیر بن عبدالمطلب کی شرکت کا صریح ذکر ابھی تک نہیں دستیاب ہوا ہے تاہم مذکورہ بالا روایات سے اور دوسرے سیرت نگاروں کے بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ وہ بھی اس موقع پر شریک تھے۔ پھر درایت کے لحاظ سے بھی ان کی شرکت لازمی نظر آتی ہے کہ وہ حقیقی چچا، کفیل و مربی ہونے کے علاوہ سربراہ خاندان بھی تھے۔

مکہ مکرمہ کی عوامی زندگی اور قریش کی تمدنی ثقافت میں شرکت کے جن اہم واقعات کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کے تعلق سے ذکر کیا جاتا ہے اتفاق بلکہ حسن اتفاق سے ان میں آپ کے کفیل و مربی حقیقی چچا زبیر بن عبدالمطلب ہاشمی کی شرکت بھی مستند طور سے معلوم ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک تعمیر کعبہ کی قریشی خدمت اور دوسری حلف الفضول

کے انعقاد میں حصہ داری ہے۔ ان میں سے پہلے حلف الفضول کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حلف الفضول ایک عظیم انسانی معاہدۂ امن تھا جس کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعثت کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ مجھے وہ سرخ اونٹوں سے زیادہ قیمتی اور قابل قدر لگتا ہے اور اگر آج ایسے کسی معاہدہ میں شرکت کے لیے دعوت دی جائے تو انکار نہ کروں۔ حافظ ابن کثیر نے بیہقی، ابونصر بن قتادہ اور بشر بن المفضل وغیرہ کی سند پر روایت بیان کی ہے جبکہ ابن سعد نے اپنے استاد واقدی کی تین روایات اس باب میں نقل کی ہیں اور دوسری روایت میں ابن کثیر کی طرح کہا ہے کہ حلف الفضول عرب میں سب سے زیادہ مکرم و محترم معاہدہ تھا جو سنا گیا۔ اس کے بارے میں سب سے پہلے زبیر بن عبد المطلب نے کلام کیا اور ان ہی نے سب سے پہلے اس کی دعوت دی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ایک زبیدی تاجر مکہ مکرمہ اپنا سامان تجارت لے کر آیا تو العاص بن وائل نے سامان تو خرید لیا مگر اس کی قیمت اسے نہ ادا کی۔ زبیدی تاجر نے بنو عبد الدار، مخزوم، جمح، سہم، عدی جیسے احلاف سے عاص بن وائل کے خلاف مدد مانگی تو انھوں نے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ اس کو ڈانٹ پھٹکار بھی لگائی۔ جب زبیدی کو شرارت و شر کا اندازہ و احساس ہوا تو وہ صبح طلوع آفتاب کے وقت جبل ابی قبیس پر چڑھ گیا اور اس نے قریش کے سرداروں کو پکارا جو اس وقت کعبہ کے ارد گرد اپنی مجالس میں موجود تھے۔ چنانچہ زبیر بن عبد المطلب نے کہا کہ اس مسئلہ کو نظر انداز کرنا نہیں ہے اس کا حل تلاش کرنا ہے۔ ان کی مساعی سے عبد اللہ بن جدعان تیمی کے گھر میں بنو ہاشم، بنو زہرہ، بنو تیم (کے سردار و شیوخ) جمع ہوئے اور عبد اللہ بن جدعان نے ان کی دعوت کام و دہن کی۔ پھر ان لوگوں نے ذوقعدہ کے مقدس ماہ میں پکا وعدہ اور مصمم معاہدہ کیا کہ وہ ظالم کے خلاف مظلوم کے ساتھ ہوں گے اور ایک متحدہ محاذ بنا کر کام کریں گے اور ظالم سے مظلوم کو اس کا حق دلوا کر رہیں گے۔ خواہ اس کام میں زمین و آسمان زیر و زبر ہو جائیں۔ قریش نے اس معاہدہ حلف کا نام حلف الفضول رکھا کہ ان کے بقول یہ دوسروں کے معاملات میں ٹانگ اڑانے اور فضول امر میں پڑنے کا معاملہ تھا۔ بہرحال ان لوگوں نے عاص بن وائل سے زبیدی تاجر کا سامان واپس دلا دیا۔ ابن کثیر نے اس معاملہ میں زبیر بن عبد المطلب ہاشمی کے دو تین اشعار بھی نقل کیے ہیں اور کہا ہے کہ بعثت نبوی سے بیس سال قبل ماہ شعبان میں جنگ فجار ہوئی تھی اور اس کے چار

ماہ بعد ذوالقعدہ میں حلف الفضول ہوئی۔ یعنی دونوں واقعات ۵۹۱ء کے ہیں۔ جبکہ ابن حبیب بغدادی نے زبیر بن عبدالملک کے چار اشعار اس ضمن میں نقل کیے ہیں اور ان کے مطابق معاہدہ کو انھوں نے ہی لکھا بھی تھا[۴۵]

یہ بہرکیف اہم بات ہے کہ شبلی نعمانی اور ادریس کاندھلوی نے حلف الفضول میں زبیر بن عبدالمطلب کی شرکت کا برملا اعتراف کیا ہے اگرچہ اس میں بعض نکات محل نظر ہیں۔ "لڑائیوں کے متواتر سلسلہ نے سیکڑوں گھرانے برباد کر دئے تھے اور قتل وسفاکی موروثی اخلاق بن گئے تھے۔ یہ دیکھ کر بعض طبیعتوں میں اصلاح کی تحریک پیدا ہوئی جنگِ فجار سے لوگ واپس پھرے تو زبیر بن عبدالمطلب نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور خاندان کے سرگردہ تھے یہ تجویز پیش کی۔ چنانچہ خاندان ہاشم، زہرہ اور تیم عبداللہ بن جدعان کے گھر میں جمع ہوئے اور معاہدہ ہوا کہ ہم میں سے ہر شخص مظلوم کی حمایت کرے گا اور کوئی ظالم مکہ میں نہ رہنے پائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس معاہدہ میں شریک تھے۔ اس کے بعد شبلی نعمانی نے اس کی وجوہ تسمیہ کا روایتی ذکر کیا ہے۔ ادریس کاندھلوی نے شبلی نعمانی کے بیان کو قبول کر کے بعض معمولی اضافے کر دئے ہیں جبکہ سلیمان منصورپوری نے اس معاہدہ کو کارنامہ نبوی بتایا ہے ابن اسحاق، ابن ہشام، بلاذری وغیرہ نے حلف الفضول میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے خاندانِ قریش کی شرکت کا ذکر بھی کیا ہے اور نہ زبیر بن عبدالمطلب یا کسی ہاشمی شیخ کی مساعی ہی کا حوالہ دیا ہے[۴۶]۔

ایک اہم واقعہ جس میں زبیر بن عبدالمطلب ہاشمی کی شرکت کا پتہ چلتا ہے یہ ہے کہ انھوں نے کسی نہ کسی شکل میں قریشی تعمیر کعبہ میں حصہ لیا تھا عین ممکن ہے کہ وہ بھی تعمیر نو کے داعیوں میں سے رہے ہوں یا حلف الفضول کی مانند اس کے اصلی محرک رہے ہوں۔ عجیب بات ہے کہ تعمیر کعبہ ہو یا حلف الفضول کا انعقاد یا اور کسی قسم کا سماجی اور تمدنی واقعہ بنو ہاشم بالخصوص ابو طالب وغیرہ کی شرکت و کردار کا کوئی حوالہ نہیں ملتا اگرچہ بعض دوسرے قریشی اکابر کی مساعی اور شمولیت کا اکا دکا حوالہ ضرور مل جاتا ہے۔ بہرکیف اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ تعمیر کعبہ کے ضمن میں کسی اور نے نہیں بلکہ ابن اسحاق و ابن ہشام نے زبیر بن عبدالمطلب کا حوالہ دیا ہے۔ ان دونوں کا متفقہ بیان ہے کہ "زبیر بن عبدالمطلب نے اس سانپ کے متعلق جس کی وجہ سے قریش کعبہ کی تعمیر نو سے

ہیبت زدہ تھے مندرجہ ذیل اشعار کہے۔ اس کے بعد ابن اسحاق نے ایک بیرے میں دس اشعار نقل کیے ہیں جو ابن ہشام کے ہاں بھی موجود ہیں اس کے بعد ابن اسحاق نے یہ بھی لکھا ہے کہ "اس موقع پر زبیر بن عبدالمطلب نے یہ اشعار بھی کہے اور پھر پانچ اشعار دوسرے ردیف وقافیہ میں نقل کیے ہیں جو ابن ہشام کے ہاں نہیں ہیں[۹۳]" ان اشعار سے کوئی نتیجہ نکالنا خطرناک ہے کیونکہ ابن اسحاق کے اشعار پر شک وشبہ کا اظہار کیا گیا ہے لیکن ان سے بہر حال یہ معلوم ہوتا ہے کہ زبیر بن عبدالمطلب اس وقت زندہ تھے اور انھوں نے تعمیر کعبہ میں کسی قسم کا حصہ ضرور لیا تھا۔ کیونکہ اسی کے قریب ان کی وفات بیان کی جاتی ہے۔

قاضی سلیمان منصور پوری نے انسان العیون کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ "آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۲۴ سال کے تھے جب ان کا انتقال ہوا۔ قاضی صاحب موصوف نے زبیر کو "شاعر فصیح البیان" بھی تسلیم کیا ہے۔ تعمیر کعبہ کے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف پینتیس سال بیان کی جاتی ہے اور ان دونوں میں زیادہ فرق نہیں[۹۴]

شخصیت وکردار

خاندانِ بنو عبدالمطلب دراصل عظیم تر گھرانے بنو عبد مناف کا ایک جزء تھا۔ اس کے سربراہ عبدالمطلب بن ہاشم نے اپنی زندگی میں اپنے عظیم کارناموں سے ایسا مقام حاصل کر لیا کہ تمام دوسرے اولادِ ہاشم پس منظر میں چلے گئے۔ اس سے زیادہ شہرت وعظمت کا تاج ان کے سر پر رسول اکرم حضرت محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہاشمی کی ذات والا صفات نے رکھا۔ انہی عظیم سردارِ قریش اور شیخ بنی ہاشم کے دوسرے فرزند زبیر بن عبدالمطلب تھے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کے بڑے سگے بھائی تھے جس طرح ابو طالب بن عبدالمطلب ہاشمی تھے اور اس طرح دونوں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا تھے کہ ان کے باپ کے ساتھ ان کی ماں بھی ایک تھیں۔

زبیر بن عبدالمطلب نے اپنے والدِ ماجد کی زندگی ہی میں اہم مقام ومرتبہ حاصل کر لیا تھا خاص کر اپنے برادر اکبر اور عبدالمطلب کے فرزند اکبر حارث کے مرنے کے بعد۔ وہ اپنے والد ماجد کے جانشین ومحبوب فرزند تھے جو اپنے بھائیوں اور ان کے اہل وعیال

اور بنو ہاشم و بنو عبد مناف سے بہت محبت کرتے تھے عبد المطلب نے اپنی زندگی ہی میں ان کو اپنا وصی اور جانشین اور سربراہِ خاندان مقرر کیا اور اہم کاموں کی ذمہ داری تفویض کی جن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد عبد اللہ کی تیمار داری کرنی تھی جو بعد میں ان کی تجہیز و تدفین کی صورت اختیار کر گئی اور اس کے ساتھ خزاعہ سے کیے گئے معاہدہ کی پاسداری شامل تھی۔

والد ماجد کی وفات کے بعد وہ شیخ بنی ہاشم ہی نہیں بنے بلکہ متحدہ خاندان عبد مناف کے ایک سردار اور قریش کے ایک سید بھی تھے۔ باپ کے وصی ہونے کے ساتھ ہی وہ مکی اشرافیہ میں اپنے والد کے دو مناصب — سقایہ اور رفادہ — کے عہدیدار بنے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کفیل و مربی رہے اور تا عمر آپ کی خدمت و نگہداشت کرتے رہے۔ تاجر کی حیثیت سے نہ صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بین الاقوامی تجارت سے متعارف کرایا بلکہ قریش کی تجارت کو فروغ دیا۔ مکہ کی سماجی زندگی میں جہاں ایک جنگی قائد کی حیثیت سے نظر آتے ہیں کہ حرب الفجار میں قائد بنی ہاشم تھے وہاں امن و امان کی حیات میں حلف الفضول جیسے عظیم معاہدۂ خیر و برکت کے اولین داعی اور اس کے عظیم منتظم تھے۔ غالباً انھوں نے تعمیر کعبہ میں بھی اپنا حصہ ادا کیا تھا اور دوسرے سماجی اور تہذیبی امور و معاملات میں بھی۔ وہ انسانی حیثیت سے سیر چشم، فراخ دل، محبت کرنے والے، خوش مزاج اور بلند کردار شخص نظر آتے ہیں۔ ان کا مزاج ادبی بھی تھا کہ وہ اپنے عہد کے ایک شاعر خوش بیان بھی تھے۔ اپنی ساٹھ پینسٹھ سالہ زندگی میں انھوں نے نہ صرف مکی سماجی اور تہذیبی زندگی کو متاثر کیا بلکہ سیرت نبوی کی تعمیر و تشکیل میں بھی حصہ لینے کی سعادت پائی جو ان کے لیے ذخیرہ و توشہ بن سکتی ہے۔[۱۱]

آل اولاد

جس طرح زبیر بن عبد المطلب ہاشمی کی حیات و سوانح کے بارے میں معلومات کی قلت کا سامنا ہے اسی طرح بلکہ کسی حد تک اس سے زیادہ ان کی آل و اولاد کے بارے میں آخذ و مصادر میں معلومات کی کمی پائی جاتی ہے بلکہ اچھا خاصا اختلاف بھی۔ زبیری نے ان کی آل و اولاد کا سرے سے ذکر ہی نہیں کیا۔ ابن حزم نے ان کے صرف چار فرزندوں

کا ذکر کیا ہے جن کے نام ہیں: طاہر، حجل، قرہ اور حضرت عبداللہ جن کے بارے میں صراحت کی ہے کہ ان کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل تھا۔ انھوں نے ان کی ماں یا زبیر کی دختروں کا ذکر نہیں کیا۔ ابن سعد نے البتہ اپنے طبقات کے حصۂ خواتین میں زبیر ہاشمی کی چار دختروں کا ذکر مختصراً کیا ہے۔ حضرت ضباعہ بنت زبیر، ام الحکم، صفیہ اور ام الزبیر اور ان سب کی ماں کا نام عاتکہ بنت وہب مخزومی بتایا ہے۔ ابن اثیر نے اسد الغابہ میں صرف ضباعہ اور ام الزبیر کا مختصر خاکہ دیا ہے اور واقدی نے بھی انھیں دونوں کا ذکر اپنی کتاب المغازی میں کیا ہے۔ اتفاق سے ان تینوں نے غزوۂ خیبر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے "طعمہ" کی عطا کے حوالہ سے ان کا ذکر کیا ہے۔ دیار بکری نے زبیر بن عبد المطلب ہاشمی کی کل اولاد (جملۃ اولادہ) کہہ کر عبداللہ، ام الحکیم اور ضباعہ کا نام گنا ہے اور دلچسپ بات ہے کہ زبیر کی کنیت ابو الحارث بتائی ہے۔ ابن سعد کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی آراضی سے حاصل ہونے والی خمس کی پیداوار سے ضباعہ، صفیہ اور ام الزبیر کو چالیس چالیس وسق اور ام الحکم کو تیس وسق طعمہ عطا فرمایا تھا۔ ان کے بیانات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کم از کم چار بیٹوں اور ایک فرزند نے مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کیا تھا اور ابتدائی عہد کیا تھا اور پھر انھوں نے مدینہ منورہ ہجرت کی تھی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت و کفالت سے برابر فیض یاب ہوتے رہے تھے۔ طاہر بن زبیر کے بارے میں ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زبیر کے سب سے بڑے فرزند تھے اور انھیں کے نام پر زبیر کی کنیت ابو الطاہر تھی۔ اس سلسلہ میں ایک دلچسپ اور اہم بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ ان ہی طاہر بن زبیر کے نام پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک فرزند کا نام طاہر رکھا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچا اور ان کے فرزندوں اور دختروں سے بہت محبت تھی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر ہاشمی کے بارے میں دیار بکری وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو میرے چچا کے فرزند اور میرے محبوب (ابن عمی وحبی) اور بعض کے مطابق میری ماں کے فرزند (ابن امی) فرمایا کرتے تھے[۱۲۹]۔

فرزندان زبیر بن عبد المطلب

زبیر بن عبد المطلب ہاشمی کے پانچ فرزندوں۔ حارث، طاہر، حجل، قرہ اور

حضرت عبداللہ۔۔ میں سے صرف موخر الذکر کے بارے میں کچھ تفصیلات ملتی ہیں اور وہ بھی خامی تشنہ بقیہ فرزندوں کا وجود ہی مشتبہ بنا دیا گیا ہے۔ لیکن ابن حزم اور سہیلی وغیرہ کی روایات سے ان کے متعلق بھی اکا دکا روایات مل جاتی ہیں جیسے کہ طاہر یا حارث کے فرزند اکبر ہونے اور ان کے نام پر باپ کی کنیت ہونے کی روایت وغیرہ باقی تفصیلات ابھی تک پردۂ خفا میں ہیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیر بن عبد المطلب ہاشمی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب بھائی تھے جنھوں نے اسلام پایا۔ لیکن ان کے قبول اسلام اور مہاجرت مدینہ اور دوسرے غزوات نبوی اور معاشرتی امور و معاملات میں شرکت کی اطلاع نہیں ملتی۔ البتہ دیار بکری وغیرہ نے دار قطنی کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ غزوۂ حنین میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہنے والوں میں وہ بھی تھے۔ پھر خلافت صدیقی میں اجنادین کے معرکہ میں (۱۲ھ/۶۳۳ء) ان کی شجاعت، حمیت، صلابت اور شہادت کا ذکر ملتا ہے اور اس روایت کو بالعموم واقدی کے حوالہ سے بیان کیا جاتا ہے۔ انھوں نے دسیوں رومی سالاروں اور سپاہیوں کو قتل کرنے کے بعد شہادت پائی اور جب ان کی نعش پائی گئی تو وہ رومی مقتولین کے ڈھیر میں تھی۔ اس وقت ان کی عمر تیس سال کے قریب تھی۔ اس اعتبار سے ان کا سنہ پیدائش ۶۰۳ء بنتا ہے جو بدیہی طور سے غلط ہے کہ ان کے والد ماجد کی وفات کا سن لگ بھگ ۵۹۴ء متعین کیا گیا ہے۔ دیار بکری وغیرہ نے یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ ان کی نسل نہیں چلی (لم یعقب) ابن اثیر نے اپنے سوانحی خاکہ میں ان کی ماں کا نام بنت الزبیر بن عبد المطلب لکھا ہے البتہ ایک نئی روایت بیان کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ماں کا نام ام الحکم بنت زبیر تھا۔ روایت یہ ہے کہ ان کی ماں نے ان کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اس وقت بھیجا جب آپ حضرت ام سلمہ کے گھر جا رہے تھے اور ان کو حکم دیا تھا کہ اگر پائیں تو آپ کی چادر چھین لائیں۔ انھوں نے ایسا ہی کیا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ وہ کون ہیں تو اپنی ردائے مبارک خود ان کے حوالے کر کے کہا کہ دونوں بہنیں اس کی اوڑھنی بنا لیں۔ دوسری روایت میں البتہ ان کی ماں اور بھائی بہنوں کا ذکر کیا ہے لیکن دوسری تفصیلات مفقود ہیں[۹۹]۔

دختران زبیر بن عبد المطلب

ابن سعد نے جن چار دختران زبیر کا ذکر کیا ہے ان میں صفیہ اور ام الزبیر کے بارے میں

صرف یہ کہا ہے کہ ان کی ماں کا نام عاتکہ بنتِ ابی وہب تھا اور ان دونوں کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی پیداوار سے چالیس چالیس وسق کا طعمہ مقرر فرمایا تھا۔[۴۳] البتہ ان کی بہن ضباعہ بنت الزبیر کے بارے میں مذکورہ بالا بیان کے علاوہ چند مختصر تفصیلات بھی دی ہیں۔ ایک یہ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ضباعہ کی شادی حضرت مقداد بن عمرو بہرانی سے کی تھی جو سابقین اولین اور مہاجرین مدینہ میں ہی نہ تھے بلکہ بدری صحابی اور عظیم شخصیت تھے اور ان سے ضباعہ کے ایک فرزند حضرت عبداللہ اور ایک دختر کریمہ پیدا ہوئی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن مقداد بہرانی عثمانی تھے اور واقعۂ جمل میں حضرت عائشہؓ کے ساتھ تھے اور اسی میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت علی نے ان کی نعش دیکھ کر ان کو برا بھانجہ کہا تھا (بئس ابن الاخت انت!) ابن اثیر نے ان کے سوانحی خاکہ میں مذکورہ بالا تفصیلات کے علاوہ سوائے تبصرۂ حضرت علی اور تزویج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصے کے نقل کر کے یہ اضافہ کیا ہے کہ ان سے اشتراطِ حج کی ایک حدیث مروی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوئیں کہ میرا حج کا ارادہ ہے تو کیا میں اشتراط کروں۔ فرمایا ہاں تو پوچھا کہ کیسے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: کہنا: اللھم لبیك لبیك محلی من الارض حیث تحبسی اس حدیث کو محدثین ثلاثہ نے روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت خضاعہ سے مختلف صحابہ کرام نے روایت کی ہے اور ان میں حضرات ابن عباسؓ جابر و انس اور عائشہ کے علاوہ تابعین عروہ اور الاعرج شامل ہیں۔[۴۴]

ابن سعد کے مطابق دوسری دخترِ زبیر بن عبدالمطلب ہاشمی ام الحکم تھیں اور ان کی ماں وہی تھیں۔ ان سے خاندان بنو عبدالمطلب کے ایک اور نامور فرزند ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب ہاشمی نے شادی کی تھی جس سے سات فرزند — محمد، عبداللہ، عباس، حارث، عبد شمس، عبدالمطلب اور امیہ — اور ایک دختر — اروی الکبریٰ — پیدا ہوئے تھے اور حضرت ام الحکم نے طعمۂ نبوی کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بھی روایت کی ہے۔ ابن اثیر نے اپنے سوانحی خاکہ میں ام الحکیم یا ام الحکم دونوں کنیتوں کا ذکر کیا ہے اور اول الذکر کو ترجیح دے کر ان کا اصل نام صفیہ بتایا ہے اور اس طرح انھوں نے دخترانِ زبیر کی تعداد کم کر دی ہے ان کو ضباعہ کی بہن بتا کر ایک حدیث نبوی ان کی روایت سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شانہ کا گوشت کھایا پھر نماز پڑھی اور (اس کے لیے) وضو نہیں کیا۔ ابن مندہ اور ابونعیم نے اپنی اسناد سے طلبِ خادم کی روایت / حدیث بیان کی ہے جو ام الحکم کے سوانحی

خاکہ میں آچکی ہے۔ پھر گوشت کھانے کے سلسلہ میں منقول حدیث کی مزید تصریح یہ کی ہے کہ ام حکیم بنت الزبیر کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر آئے اور شانہ (کتف) کا گوشت تناول فرمایا۔ پھر حضرت بلال نے آپ کو نماز کے وقت کی اطلاع دی اور آپ تشریف لے گئے، اور (نیا) وضو کیے بغیر نماز پڑھی۔ یہ روایت ان کی بہن ام حکیم سے بھی مروی ہے۔ اس حدیث کی تخریج تینوں محدثین نے کی ہے۔ اس سے قبل ابن اثیر نے "ام الحکم بنت الزبیر بن عبدالمطلب القرشیۃ الہاشمیہ بنت عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کے عنوان سے سوانحی خاکہ لکھا ہے اور ان ضباعہ بنت الزبیر کی بہن اور ان کی دوسری کنیت (قیل کے لفظ سے) ام حکیم بھی بیان کر کے طلب خادم کی وہ حدیث بیان کی ہے جس کا اوپر حوالہ آچکا ہے۔ اس کے مطابق ام الحکم یا ضباعہ زبیر کی دو دختروں میں سے ایک نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ قیدی/غلام آئے تو میں اور میری بہن حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی۔ پھر ہم سب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی حالت کی شکایت کی اور آپ سے درخواست کی کہ قیدیوں میں سے ہم کو کچھ عطا ہونے کا حکم ہو۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ بدر کے یتیموں نے تم سے پہلے حق لے لیا لیکن تم سب کو اس سے بہتر (خیر) بات بتاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ہر نماز کے بعد تینتیس بار تکبیر تینتیس بار تسبیح اور تینتیس بار تحمید پڑھنے کے بعد یہ دعا پڑھ لیا کرو: **لاالٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئ قدیر**۔ اس کے بعد گوشت کھانے کی مذکورہ بالا روایت نقل کر کے اور اس کے محدثین کا حوالہ دے کر سوانحی خاکہ ختم کر دیا ہے۔ امام ابوداؤد نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور ام الحکم اور ضباعہ دختران زبیر بن عبدالمطلب کے نام سے کیا ہے اور آخر میں تصریح کی ہے کہ وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عم زاد تھیں[۵۵]۔ ابن حجر نے اصابہ میں حضرت ام الحکم بنت کے خاکے میں زبیر بن بکار کے حوالہ سے یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ ایک روایت کے مطابق حضرت ام الحکم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن بھی تھیں اور مدینہ میں آپ ان کی زیارت کرنے جاتے تھے اور انھیں کو ام حکیم بھی کہا جاتا تھا وہ حضرت ضباعہ کی بہن تھیں.... دارقطنی نے کتاب الاخوہ میں ان کا ذکر کیا ہے[۵۶]۔ دوسری جگہ ابن حجر نے ام حکیم بنت زبیر کے خاکے میں ان کے صفیہ، ام الحکم اور ضباعہ تینوں کے ناموں کی روایت ہونے کا ذکر کر کے اہم بات یہ کہی ہے کہ خلیفہ اپنی ایک روایت میں کہتے ہیں کہ بنو ہاشم کے ایک سے زیادہ لوگوں نے مجھے بتایا کہ وہ زبیر بن عبدالمطلب

کی دختر ضباعہ کے سوا کسی اور کو نہیں جانتے۔ ان کا ذکر ابو عمر (ابن عبدالبر) نے کیا ہے لیکن ام الحکم کی بجائے ام حکیم بنت ضباعہ کہا ہے جو ربیعہ بن الحارث کے نکاح میں تھیں اور اسلام لائیں اور ہجرت کی اور ان سے ان کے فرزند عبداللہ بن حارث بن نوفل نے گوشت کھانے اور پھر وضو نہ کرنے والی حدیث روایت کی ہے۔[۱۲۹]

خاندانِ زبیر بن عبدالمطلب پر دوبارہ نظر

بانی خاندان جس طرح قدیم راویوں کی جانبدارانہ رقم طرازی کا شکار بنے ہیں اس سے زیادہ ان کے آل و اولاد ہوئے ہیں۔ اول تو ان کی تمام اولادوں کا واضح ذکر کسی ایک ماخذ میں نہیں ملتا۔ کسی نے صرف فرزندوں کا ذکر کیا ہے تو کسی نے صرف دختروں کا پھر ان کی تعداد میں بھی اختلاف ہے۔ جب یہ صورتِ حال ہو تو ان کی تاریخ پیدائش و وفات، ان کے سوانحی حالات سے متعلق معلومات کی توقع رکھنی ہی فضول ہے۔ حیات و سوانح صحابہ کرام پر جو متداول کتابیں ہمارے پاس موجود ہیں ان میں معلومات خاصی ناقص ہیں حتیٰ کہ صحابی حضرت عبداللہ بن زبیر ہاشمی اور ان کی چار بہنوں کے بارے میں بھی ناکافی معلومات دی گئی ہیں۔ ان میں سے حضرت ضباعہ اور حضرت ام الحکم زیادہ خوش قسمت نکلیں کہ ان کی شادی، شوہر اور اولاد کا کچھ نہ کچھ ذکر بہرحال مل جاتا ہے لیکن حضرت عبداللہ بن زبیر کو اس سے بھی محروم رکھا گیا ہے۔ اس سے زیادہ اہم معاملہ زبیر بن عبدالمطلب کی بیوی یا بیویوں کا ہے کہ ان کی صرف ایک بیوی کا ذکر ملتا ہے اور وہ بھی ضمناً۔ خیال ہے کہ ان کی عرب دستور کے مطابق اور بھی ازواج ہوں گی لیکن یہ خیال ہی ہے کہ موجودہ مآخذ ان کے ذکر سے خالی ہیں۔ ظاہر ہے کہ زبیر بن عبدالمطلب خاندان بنی ہاشم کے سربراہ اور شیخ قریش تھے تو ان کے موالی اور حلفاء اور غلام اور دوسرے وابستگانِ دامنِ دولت بھی رہے ہوں گے لیکن ان کا ذکر تو کجا حوالہ بھی نہیں مل سکا۔

بہرکیف واقعات و روایات کا تجزیہ اور تنقیدی مطالعہ ثابت کرتا ہے کہ زبیر بن عبدالمطلب ہاشمی کی زندگی سے ان کی وفات کے بعد تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے اور ان کے خاندان سے تعلق خاطر رہا۔ غالباً ان کی وفات کے بعد جب آپ کے فرزند پیدا ہوئے تو آپ نے ان کے فرزند طاہر کے نام سے اپنے فرزند کو بھی موسوم

کیا، اگرچہ وہ اپنے پیشرو کی مانند زندہ نہ رہ سکے۔ تقریباً یقینی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چچا کی وفات کے بعد ان کے خاندان والوں کی پرورش و پرداخت اور دیکھ بھال کی ذمہ داری اٹھائی تھی جس طرح شفیق چچا نے آپ کی بچپن میں کفالت و پرورش کی سعادت پائی تھی اور جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دوسرے سگے چچا ابوطالب بن عبدالمطلب ہاشمی کی مالی کمزوری کے زمانے میں ان کے ایک فرزند گرامی قدر حضرت علی بن ابی طالب کی کفالت و پرورش کر کے اپنے محسن و مربی کا احسان چکانے کی کوشش کی تھی۔

روایات و قرائن سے ثابت ہوتا ہے کہ زبیر بن عبدالمطلب ہاشمی کے تمام زندہ فرزندوں اور دختروں نے ابتدا ہی میں اسلام قبول کیا تھا اور پھر مدینہ منورہ ہجرت کی تھی۔ انھوں نے غالباً نبوی غزوات و سرایا کے علاوہ دوسرے اسلامی واقعات، تہذیبی معاملات اور سماجی روایات کی تعمیر و تشکیل میں اپنا حصہ ادا کیا تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھانا پکانا آپ کی خدمت کرنا اور خیبر کی پیداوار سے طعمۂ نبوی پانا ہی کچھ ثابت کرتا ہے۔

بلا شبہ خاندانِ زبیر بن عبدالمطلب نے خاندانِ ابی طالب بن عبدالمطلب کی مانند عہد جاہلی میں سیرت نبوی کی تعمیر و تشکیل میں کم از کم مساوی حصہ لیا تھا۔ یہ دوسری بات ہے اور تقدیر الٰہی بھی کہ عہدِ اسلامی میں ابوطالب بن عبدالمطلب ہاشمی کو دفاع نبوی اور خدمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ موقع ملا اور پھر ازدواجی رشتہ نے ان کو وہ مقام بلند عطا کر دیا جس میں صرف خاندان عثمانی امتیاز کا طرہ سجانے کا حق دار ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی جو سعادت خاندانِ زبیر ہاشمی اور اس کے بانی کے نصیب میں آئی وہ ان کو تاریخ اسلامی اور سیرت نبوی کا ایک اہم عامل اور قابل قدر واقعہ بناتی ہے جس سے انکار تاریخ کی ایک روشن حقیقت کا انکار ہے۔

تعلیقات وحواشی

۱ے اس مسئلہ پر مزید بحث کے لیے ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون "اسلامی تاریخ نگاری کے مسائل اور ان کا حل" مجلہ علوم اسلامیہ علی گڑھ ۱۹۸۰ء ۱۱۳ - ۶۹، اس کا عربی ترجمہ از ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری بعنوان "قضایا کتابۃ التاریخ الاسلامی وحلولہا، جامعہ سلفیہ بنارس۔

۲ے ملاحظہ ہو خاکسار کا دوسرا مضمون "بنو عبد مناف۔ عظیم تر متحدہ خاندانِ رسالت" شائع شدہ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ فروری ۹۶ء

۵۳ ابن خلدون، مقدمہ، جنھوں نے مورخین کو دو یا تین خانوں میں تقسیم کیا ہے۔ اول تو امامان سیرت (ائمۃ فحول) ہیں جو اصل ماٰخذ پر انحصار کر کے طبعزاد لکھتے اور نقد و احتساب کے عمل سے اپنی تحریروں کو گذارتے ہیں۔ دوسرے محض نقال اور بچکانہ رجحان رکھنے والے (متطفلون) ہیں جو صرف دوسروں کا مال اپنی گرہ گرہ میں باندھ لیتے ہیں اور بلا سوچے سمجھے نقل کرتے چلے جاتے ہیں اور تیسرے اختصار نویس اور خلاصہ نگار (اصحاب الاختصار) ہیں جو اہم ماٰخذ کی تلخیص کر کے اپنے نام سے شائع کر دیتے ہیں۔

۵۴ ان سیرت نگاروں کے حوالے ہر مسئلہ و امر پر اپنے اپنے مقام پر آگے آتے رہیں گے۔

۵۵ جس ذہنی میلان و مسلکی عصبیت کا یہاں حوالہ آیا ہے اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ یہ سیرت نگار ابو طالب بن عبد المطلب ہاشمی سے کوئی فضل و فضیلت چھیننا نہیں چاہتے یا اس میں کسی دوسرے کو شریک کرنا ان کو گوارہ نہیں۔ یہ نقطۂ نظر دراصل سخن فہمی سے زیادہ "طرفداری غالب" پر مبنی ہے۔ اس کی ٹھوس مثالیں اور پکے ثبوت آگے ملیں گے۔

۵۶ زبیری، نسب قریش، مرتبہ لیفی پروفنال، قاہرہ ۱۹۵۵ء؛ ابن سعد، اول ۹۴-۹۳ کی ترتیب زمانی ہے اور بارہ فرزندوں اور چھ دختروں کا ذکر کیا۔

ابن حزم، جمہرۃ انساب العرب، مرتبہ لیفی پروفنال، قاہرہ ۱۹۴۸ء، ۱۳؛ یعقوبی، تاریخ، اول، ۲۵۱ نے زبیر کو دس فرزندان عبد المطلب میں گنایا ہے اور زمانی ترتیب سے۔

ابن اسحاق، سیرت ابن اسحاق، اردو ترجمہ نور الٰہی ایڈووکیٹ، نقوش لاہور ۱۹۸۶ء، رسول نمبر یازدہم ۶۶-۶۰

ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، مرتبہ محمد محی الدین عبد الحمید، دار الفکر قاہرہ ۱۹۳۷ء، جزو اول ۲۰-۱۱۹، نے عبد المطلب کی اولاد کے عنوان سے ان کے دس نفر اور چھ دختر کا ذکر کیا ہے اور اولاد نرینہ میں ترتیب یہ قائم کی ہے: عباس، حمزہ، عبد اللہ، ابو طالب (جن کا نام عبد مناف تھا) اور زبیر، حارث، حجل، مقوم، ضرار، اور ابولہب (کہ اصل نام عبد العزیٰ تھا)

بلاذری، انساب الاشراف، مرتبہ محمد حمید اللہ، دار المعارف مصر ۱۹۵۹ء، اول ۸-۸۷، اسی عنوان کے تحت اولاد عبد المطلب کی ترتیب یہ قائم کی ہے: عبد اللہ، زبیر، عبد مناف (ابو طالب) عبد الکعبہ (دختران گرامی) عباس، ضرار، حمزہ، مقوم، حجل (اصل نام مغیرہ)، حارث (جس کے نام پر عبد المطلب کی کنیت تھی)، قثم، عبد العزیٰ (ابولہب)، غیداق (نوفل)

محمد بن حبیب بغدادی، کتاب المنمق، مرتبہ خورشید احمد فارق، دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۹۶۴ء، ۲۳-۴۔

ابن حزم، جمہرہ، ۱۳۔ مرتب کا حاشیہ ہے کہ ابن ہشام وغیرہ میں ام زبیر وابی طالب وعبداللہ کا نام ہے...
اولاد عبدالمطلب بن ہاشم کی وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو خاکسار کی کتاب "تاریخ تہذیب اسلامی"، فاؤنڈیشن فار ایجوکیشنل ڈولپ منٹ، نئی دہلی ۱۹۹۴ء، اول، ۸۲-۸۱

۷ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اعظم گڈھ ۱۹۸۳ء، اول، ۱۶۸، کا بیان ہے: "عبدالمطلب کے دس یا بارہ بیٹوں میں سے پانچ شخصوں نے اسلام یا کفر کی خصوصیت کی وجہ سے شہرت عام حاصل کی یعنی ابولہب، ابوطالب عبداللہ، حضرت حمزہ، حضرت عباس"... انھوں نے زبیر اور ان کی ماں کا نام ونسب سرے سے اتقط کر دیا۔

۸ ادریس کاندھلوی، سیرۃ المصطفیٰ، دارالکتاب دیوبند غیر مورخہ اول ۴۴-۳۲ ومابعد، نے عبدالمطلب کے کارناموں کا ذکر عبداللہ کے نام اور اس کی تقدیس اور حضرت آمنہ سے حضرت عبداللہ کے نکاح سے جوڑ دیا ہے۔ زبیر ان کی ماں اور دوسرے اشخاص کا ذکر غائب ہے۔

۹ سید ابوالاعلیٰ مودودی، سیرت سرور عالم، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی ۱۹۸۹ء، دوم، ۸۸ ومابعد، سید ابوالحسن علی حسنی ندوی۔ السیرۃ النبویہ، دار الشروق جدہ ۱۹۸۹ء، ۹۹ ومابعد؛ صفی الرحمٰن مبارکپوری، الرحیق المختوم، اردو مجلس علمی علی گڑھ ۱۹۸۸ء، ۷۹ ومابعد۔ اور متعدد دوسرے۔

۱۰ محمد سلیمان منصورپوری، رحمۃ للعلمین، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۱۹۸۰ء، دوم، ۸۹-۷۰ خاص کر صفحات ۷۱ اور ۸۸۔

۱۱ بلاذری، اول، ۹۲، ۲۳۶ نے بالترتیب عبداللہ اور ابوطالب کی وفات کے وقت ان کی عمریں بیان کی ہیں۔ ابوطالب کی عمر کے بارے میں صرف ایک روایت دی ہے اور عبداللہ کے بارے میں تین روایات (سترہ سال، پچیس سال، اٹھائیس سال) دی ہیں۔ اور عام طور سے پچیس سال کی روایت کو ترجیح دی جاتی ہے۔ نیز ملاحظہ ہو: ابن ہشام، اول؛ شبلی نعمانی، سلیمان منصورپوری، مودودی، ابوالحسن علی ندوی، صفی مبارکپوری وغیرہ کے بیانات۔

۱۲ ابن ہشام، اول ۱۸۰؛ بلاذری، اول ۹۶، نے ان کی عمر کا ذکر نہیں کیا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو ابن ہشام ۱۹۳، سلیمان منصورپوری، دوم ۲۷، نے لکھا ہے: "عبدالمطلب نے ۸۲ سال کی عمر پائی۔ ان کا سال ولادت ۴۹۷ء اور سال وفات ۵۷۹ء اندازہ کیا گیا ہے" اور اس کا حوالہ "تاریخ العرب فرنچ پروفیسر سیڈیو" دیا ہے۔
نیز ابن سعد، ابن کثیر، حلبی اور دوسرے مآخذ کے متعلقہ ابواب ملاحظہ ہوں۔

۱۳ بلاذری، اول ۹۰؛ ابن ہشام، اول ۱۲۰، نے ان کا نام سمراء بنت جندب بن حجیر عامری / ہوازنی لکھا ہے، جو غالباً ان کا لقب معلوم ہوتا ہے۔ نسب وقبیلہ بہر حال دونوں نے یکساں لکھا ہے۔ البتہ بلاذری نے ان کے

والد کا نام جندب لکھا ہے جو تصحیف بھی ہو سکتی ہے۔ سلیمان منصور پوری، دوم ۱۷، نے اولاد عبد المطلب بن ہاشم کا جو نقشہ دیا ہے اس میں بلاذری کا ہی ذکر کردہ نام و نسب دیا ہے۔

۱۴ بلاذری، اول، ۹۲، نے وفات عبداللہ بن عبد المطلب کے ضمن میں زبیر کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: "..... وان اباہ بعث الیہ الزبیر بن عبد المطلب، اخاہ، فحضر وفاتہ، ودفن فی دار النابغۃ"

حلبی، سیرت حلبیہ، اول، ۶۲-۶۳، نے حارث کے بھیجے جانے کی روایت بیان کرنے کے بعد اسد الغابہ کے حوالہ سے زبیر بن عبد المطلب کے روانہ کیے جانے کا ذکر کیا ہے؛ دیار بکری، تاریخ الخمیس، مکتبہ جمالیہ مصر، اول، ۲۱۱ نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔

۱۵ ابن ہشام، اول، ۱۷۱، کا بیان ہے: "ثم لم یلبث عبد اللہ بن عبد المطلب ابو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أن ھلک وام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"۔

غالباً ابن اسحاق / ابن ہشام وفات عبداللہ کے ضمن میں زبیر کا ذکر نہیں کرنا چاہتے تھے اور حارث کا ذکر کرنا صریح غلط بیانی ہوتی اس لیے انھوں نے اس مسئلہ پر سکوت ہی اختیار کر لیا کہ وہی زیادہ مناسب تھا۔

۱۶ شبلی نعمانی، اول، ۱۶۹ "عبداللہ تجارت کے لیے شام گئے واپس آتے ہوئے مدینہ میں ٹھہرے اور بیمار ہو کر یہیں رہ گئے۔ عبد المطلب کو یہ حال معلوم ہوا تو اپنے بڑے بیٹے حارث کو خبر لانے کے لیے بھیجا"

ادریس کاندھلوی، اول، ۵۶-۵۷ "حضرت عبداللہ بغرض تجارت قافلہ کے ساتھ شام تشریف لے گئے۔ راستہ میں بیماری کی وجہ سے مدینہ منورہ ٹھہر گئے۔ قافلہ جب واپس مکہ پہونچا تو عبد المطلب نے دریافت کیا کہ عبداللہ کہاں رہ گئے۔ قافلہ والوں نے کہا کہ بیماری کی وجہ سے اپنی ننہال بنی نجار میں مدینہ ٹھہر گئے۔ عبد المطلب نے فوراً ہی اپنے بڑے فرزند حارث کو مدینہ روانہ کیا..... حارث نے واپس ہو کر عبد المطلب اور خویش و اقارب کو اس حادثہ فاجعہ کی اطلاع دی جس سے سب کو سخت صدمہ اور ملال ہوا" اور اس کے حوالہ میں زرقانی ج ۱، ص ۱۰۹ لکھا ہے جبکہ شبلی نعمانی نے بلا سند و حوالہ بات کہدی ہے۔ البتہ عبداللہ کی عمر بوقت شادی کا حوالہ زرقانی سے ہی دیا ہے اور گمان غالب ہے کہ ان کا ماخذ بھی یہی ہے۔ ابو الاعلیٰ مودودی، دوم، ۹۰، نے بھی حارث کے بھیجے جانے کا ذکر کیا ہے اور غالباً شبلی نعمانی سے متاثر ہو کر۔ متعدد سیرت نگاروں نے حارث یا زبیر کے مدینہ بھیجنے کے واقعہ کا حوالہ ہی نہیں دیا ہے جیسے ابو الحسن علی ندوی، ۹۹؛ محمد جعفر شاہ پھلواری، پیغمبر انسانیت ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۹۰ء؛ صفی الرحمٰن مبارکپوری، ۸۱-۸۲، وغیرہ۔

۱۷ بلاذری، اول، ۷۹..... "وقال فی السنۃ التی نحر فیہا عبد المطلب الابل، مات الحارث بن

عبد المطلب ولابنه ربیعة سنتان"۔ ۱۳۸۔ قال واقدی:" وکان نحر الابل قبل الفیل بخمس سنین، فکان ربیعة اسن من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسبع سنین۔" پہلی روایت ۱۳۷ بھی واقدی کی ہے۔

۱۸ھ شبلی نعمانی، اول ۱۷۷، ادریس کاندھلوی، اول ۸۷۔ موخرالذکر نے اپنے ماخذ کا حوالہ یوں دیا ہے: عیون الاثر، ج ۱، ص ۴۰؛ شبلی نعمانی نے حوالہ وسند نہ دینے ہی میں عافیت سمجھی ہے یہی حال سلیمان منصور پوری، اول، ۴۱، کا ہے کہ انھوں نے بھی حوالہ سے گریز کیا ہے۔

نیز ملاحظہ ہو: مودودی، دوم ۱۰۱-۱۰۲؛ ابوالحسن علی ندوی، ۱۰۳؛ صفی الرحمٰن مبارکپوری، ۸۸-۹

۱۹ھ ابن ہشام، اول، ۱۹۲، کی اصل عبارت یہ ہے: وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لبعد عبد المطلب مع عمہ ابی طالب، وکان عبد المطلب۔ فیما یزعمون ۔ یوصی بہ عمہ ابا طالب، وذلک لان عبد اللہ ابا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابا طالب اخوان لاب وام، امھما: فاطمہ بنت عمرو.... ابن مخزوم..... قال ابن اسحاق: وکان ابو طالب ھو الذی یلی امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد جدہ، فکان الیہ ومعہ۔"

نیز ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر بیروت ۱۹۵۷ء اول ۱۱۹؛ ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ، ۷۹۔

۲۰ھ بلاذری اول، ۸۵

۲۱ھ حلبی (برہان الدین) سیرت حلبیہ، مصر ۱۲۹۲ھ، اول ۵۶-۱۵۰

۲۲ھ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، مرتبہ مصطفیٰ عبدالواحد، بیروت ۱۹۷۱ء، اول، ۲۳۲۔ ابن کثیر نے اول راوی کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن یہ بہرحال ابن ہشام و ابن اسحاق کی گمنام ومجہول راویوں کی روایت سے زیادہ قوی ہے۔ نیز ملاحظہ ہو خاکسار کی کتاب "تاریخ تہذیب اسلامی، نئی دہلی ۱۹۹۴ء، ۸۷-۸۶

جدید سیرت نگاروں میں شاہ محمد جعفر پھلواری، ۲، ۵ ان چند اہل قلم میں شامل ہیں جنھوں نے لکھا ہے کہ "آمنہ اور عبد المطلب کے بعد چچا زبیر پھر ابو طالب نے بڑی عمدگی سے پرورش کا حق ادا کیا"۔

۲۳ھ ابن ہشام، اول (قاہرہ ۱۹۵۵ء) ۱۰۸ کا حاشیہ مرتب ۲؛ نیز ابن کثیر، اول، ۲۳۲۔ ابن حبیب بغدادی، کتاب المنمق ۴۳۵۔

۲۴ھ بلاذری، اول، ۲-۷۰؛ ابن سعد، اول، ۸۶-۸۵ اور ۹۳؛ ابن حبیب بغدادی، کتاب المنمق، ۹۱، ۹۲۔ عربوں میں عہد جاہلی سے وصیتِ مرحوم کی روایت جاری رہی اور اسلامی معاشرہ میں بھی اس کو ایک اخلاقی قدر اور قانونی اصول کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا۔ یہ خالص اسلامی وصیت کا اصول وضابطہ

تھا جس کا شیعی نظریہ یا عقیدۂ وصیت سے کوئی تعلق نہیں۔ عہد جاہلی اور دورِ اسلامی دونوں میں مرنے والا بالعموم اپنے فرزندِ اکبر، خلیفۂ وقت، امیرِ شہر، سربراہِ خاندان وغیرہ کو اپنے وصایا کے نفاذ و اجرا کی وصیت کرتا تھا اور بالعموم اس کا احترام اور اس پر عمل بھی کیا جاتا تھا۔

عہدِ جاہلی کی وصیت مرحوم کا ایک اصول یہ بھی تھا کہ مرنے والا اپنے بعد اپنے مناصب کا مستحق اپنے فرزندوں میں سے کسی صاحبِ لیاقت کو بناتا تھا جو اکثر حالات میں فرزندِ اکبر ہی ہوتا تھا، دوسرے فرزندوں کی باری اس کی نااہلی کی صورت میں یا مناصب کے تعدد کی حالت میں آتی تھی۔

اسلامی عہد میں بھی "وصیت مرحوم" کی روایت کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ ان میں سب سے اہم مثال یہ ہے کہ جب عظیم صحابی اور مقدس میزبان رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوایوب انصاریؓ کا وقت آخر مہم قسطنطنیہ کے دوران آگیا تو انھوں نے امیر لشکر یزید بن معاویہؓ کو اپنا "وصی" بنایا تھا۔ اور ان کے "وصی" نے ان کی وصایا کا نفاذ و اجرا کیا تھا۔ ملاحظہ ہو:

زبیر بن عبدالمطلب کے باپ کا وصی ہونے کا اعتراف سلیمان منصورپوری، دوم، ۸۸ بحوالہ طبقات ابن سعد کیا ہے۔ یہ ایک طویل بحث ہے جس کے لیے ایک مقالہ کی ضرورت ہے۔

۲۵ھ ابن ہشام، اول، ۱۹۳، کا بیان ہے: "فلما هلك عبد المطلب بن هاشم ولي زمزم والسقاية عليها بعده العباس بن عبد المطلب، وهو يومئذ من أحدث اخوته سناً فلم تزل اليه حتى قام الاسلام وهي بيده ...."

۲۶ھ شبلی نعمانی، اول ۱۷۶-۱۷۷، کے بیان میں دو غلطیاں ہیں اول یہ کہ عبدالمطلب کی موت نے بنوہاشم کے رتبۂ امتیاز کو دفعتاً گھٹا دیا، اور یہ پہلا دن تھا کہ دنیوی اقتدار کے لحاظ سے بنو امیہ کا خاندان بنو ہاشم پر غالب آگیا، عبدالمطلب کی مسندِ ریاست پر اب حرب متمکن ہوا، جو امیہ کا نامور فرزند تھا" دوسری وہی کہ "مناصب ریاست میں سے صرف سقایہ.... عباس کے ہاتھ میں رہا جو عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے"۔

سلیمان منصورپوری اور ادریس کاندھلوی نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ سید مودودی، دوم ۸۸ نے ایک دلچسپ کڑی بیان کی اور دوسری چھوڑ دی کہ "یہ سقایہ کا منصب.... زندگی بھر عبدالمطلب کے پاس رہا۔ ان کے بعد یہ ان کے بیٹے ابوطالب کو ملا.... چنانچہ یہی ہوا کہ سقایت حضرت عباس کو مل گئی"۔ انھوں نے ابوطالب کا ذکر تو کیا مگر ان سے پہلے زبیر کا حوالہ نہیں دیا۔

۲۷ھ بلاذری، اول، ۵۷؛ نیز ملاحظہ ہو: خاکسار کی کتاب، تاریخ تہذیب اسلامی، اول، ۶۳، سید مودودی، ۸۸، نے حضرت عباس سے ابوطالب کے قرض لینے اور بعد میں اسی کے سبب

سقایہ ان کے حوالہ کرنے کا ذکر او پروالی روایت میں کیا ہے۔

۲۸؎ یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، دار صادر بیروت ۱۹۶۰ء، اول ۲۵۸، فاکہی کتاب المنتقی فی اخبار ام القریٰ مرتبہ وسٹنفلڈ، بیروت ۱۹۶۴ء، ۱۴۳۔

محمد بن حبیب البغدادی، کتاب المنمق، ۸-۷۵ اور ۶۵-۶۳۔ اور ۱۱۱ کے مطابق عبدالمطلب کی وفات کے بعد ریاست حرب بن امیہ کے نصیب میں آئی اور ان کی موت کے بعد "ریاسات و شرف" بنو عبد مناف اور دوسرے قریشیوں میں منتشر ہو گئی چنانچہ بنو ہاشم میں زبیر، ابوطالب، عباس اور حمزہ فرزندان عبدالمطلب کے لیے تھی.... پھر الحکام من قریش کی سرخی کے تحت ص۱۵۹ پر ان کا بطور حاکم پھر ذکر کیا ہے۔ مزید ذکر بیوتات قریش ص۵۳۱ کے حوالہ سے ان کی شرف کا کیا ہے۔

۲۹؎ ابن ہشام، اول، ۲۰۱۔ کا بیان ہے: "علی کل قبیل من قریش وکنانۃ رئیس منہم، وعلی کل قبیل من قیس رئیس منہم وشہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض ایامہم، أخرجہ أعمامہ معہم، وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: کنت أنبل علی أعمامی" ای ارد عنہم نبل عدوہم اذا رموہم بہا.... وکان قائد قریش وکنانۃ حرب بن امیہ بن عبد شمس...

برہان الدین حلبی، السیرۃ الحلبیۃ، اول ۱۶۹-۱۷۰، نے دوسرے امور کے علاوہ یہ بھی ذکر کیا ہے کہ یوم البراض میں ابوطالب بھی موجود تھے اور انھیں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے جب آپ نوجوان (غلام) تھے۔ انھوں نے زبیر کا ذکر نہیں کیا اور دوسرے قریشی اکابر کا کیا ہے۔

۳۰؎ سلیمان منصور پوری، اول ۴۳-۴۲، نے سیرتِ نبوی کے باب میں اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔

ادریس کاندھلوی، اول، ۹۳، کا بیان ہے کہ "بعض دنوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس لڑائی میں اپنے "بعض" چچاؤں کے اصرار سے شریک ہوئے مگر قتال نہیں فرمایا۔" پھر علامہ سہیلی کی روض الانف ج ۱: ص ۱۲۰ کا حوالہ دے کر ان کی رائے نقل کی ہے۔ یہاں ادریس کاندھلوی نے ابن ہشام و ابن اسحاق کے اعمام کو "بعض اعمام" بنا دیا ہے۔

نیز سید مودودی، دوم ۱۱۰-۱۰۹؛ سید ابوالحسن علی ندوی۔ ۱۰۹۔

۳۱؎ بلاذری، اول، ۱۰۳-۱۰۰؛ شبلی، اول، ۸۲-۱۸۱، نے لکھا ہے کہ "قریش کے تمام خاندانوں نے اس معرکہ میں اپنی اپنی الگ فوجیں قائم کی تھیں، آل ہاشم کے علم بردار زبیر بن عبدالمطلب تھے اور اسی صف میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے.... اس لڑائی میں قریش کا رئیس اور سپہ سالار اعظم حرب بن امیہ تھا...." صرف "علمبردار" کہنے سے غلط فہمی ہو سکتی ہے۔

نیز ابن سعد، اول، ۱۲۸، جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرکت کو بکراہت ہونا بتایا ہے نیز حضرت حکیم بن حزام اسدی کی عینی شہادت نقل کی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجار میں شریک دیکھا تھا۔

۵۳۲ ابن اسحاق وابن ہشام، اول ۹۷-۱۹۴؛ بلاذری، اول ۹۷-۹۶؛ نیز شبلی، اول، ۸۱-۱۷۹؛ ادریس کاندھلوی اول ۹۳-۸۸، سلیمان منصورپوری اول ۴۲-۴۱

۵۳۳ ابن کثیر،

دیاربکری، اول، ۲۹۴۔ کتاب المنمق، ۲۸۰-۲۸۴ اور ۲۸۵

۵۳۴ ابن ہشام، اول ۲۰۵؛ بلاذری، اول ۹۸-۹۷؛ شبلی، اول، ۱۸۸؛ ادریس کاندھلوی، اول، ۱۱۱، سلیمان منصورپوری، اول ۴۲-۴۱۔

نیز ملاحظہ ہو، حلبی، اول، ۵-۱۸۴، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام چچاؤں (عمومتہ) کے ساتھ حضرت خدیجہ کے گھر جانے کا ذکر ہے اور ان میں سے ایک یعنی ابوطالب کے شادی کرنے کا بھی حوالہ ہے۔ نیز ملاحظہ ہوں بعد کے صفحات ۸۸ - ۱۸۶

۵۳۵ ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ، اول، ۶۰-۲۵۸، ابن حبیب بغدادی، کتاب المنمق، ۲۱ - ۲۱۸۔

ابن کثیر کی اس روایت سے حلف الفضول کی وجہ تسمیہ پر بہت اہم روشنی پڑتی ہے۔ ابھی تک جتنی وجوہ تسمیہ عام طور سے بیان کی جاتی ہیں ان میں یہ سب سے دل لگتی اور صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اس کے مزید تجزیہ کی ضرورت ہے۔ ابن کثیر کے نقل کردہ اشعار یہ ہیں۔

ان الفضول تحالفوا وتعاقدوا — الا یقیم ببطن مکۃ ظالم
امرٌ علیہ تعاھدوا وتواثقوا — فالجار والمعتر فیھم سالم

ابن حبیب بغدادی کے مطابق زبیر بن عبدالمطلب کے اشعار تھے۔

حلفت لنعقدن حلفا علیھم — لسمیہ الفضول اذ اعقدنا
اذا رام العدو لہ حرابا — ویعلم من حوالی البیت انا
وان کنا جمیعا اھل دار — یغربہ الغریب لدی الجوار
اقمنا بالسیوف ذوی الازدرار — اباۃ الضیم نھجر کل عار

دیاربکری کی روایت کافی مختصر ہے اور اس میں زیادہ تر بحث وجوہ تسمیہ اور تاریخ معاہدہ پر ہے۔

ابن سعد، اول، ۱۲۸، کی روایت مختصر ہے لیکن اس میں آپ کی تحسین کے علاوہ شریک قبائل اور مقام حلف کا نبوی ارشاد موجود ہے۔

نیز حلبی، سیرت حلبیہ، اول ۷۷-۱۷۲، نے زبیر کو اول داعی بتانے کے بعد زیادہ ذکر عبداللہ بن جدعان، وجہِ تسمیہ وغیرہ کا کیا ہے۔

۳۶ھ شبلی نعمانی، اول، ۸۳-۱۸۲ بحوالہ طبقات ج ۱ ص۸۱، مستدرک ج ۲ ص۲۲ (اضافہ سلیمانی) اور امام سہیلی بلا حوالہ کتاب۔

ادریس کاندھلوی، اول، ۹۵-۹۴ بحوالہ روض الانف ص۹۱ وسیرۃ ابن ہشام؛ طبقات ابن سعد ج ۱، ص ۸۲۔ فرمان نبوی کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ انھوں نے البتہ ابن کثیر کے بیان کردہ دو اشعار زبیر بن عبدالمطلب نقل کر دئے ہیں۔

سلیمان منصور پوری، اول ۴۳، نے اس کا عنوان "قیام امن و نگرانی حقوق کی انجمن کا انعقاد" قائم کر کے لکھا ہے کہ "انہی دنوں میں آنحضرتؐ نے اکثر قبیلوں کے سرداروں کو.... ان سب باتوں کی اصلاح پر توجہ دلائی...."

نیز سید مودودی، دوم ۱۱۱؛ اور محمد جعفر پھلواری نے بالترتیب زبیر اور ابنائے عبدالمطلب کی شرکت کا صاف ذکر کیا ہے۔

۳۷ھ ابن ہشام، اول ۹-۲۰۷ نے آپ کی شادی کے بعد تعمیر کعبہ کا بیان لکھا ہے اور یہی بلاذری، اول، ۹۹-۹۸ ومابعد بلاذری نے اس کے بعد واقعۂ فجار کو آپ کی بعثت سے جوڑ دیا ہے ۱۰۳-۱۰۱۔

۳۸ھ ابن اسحاق، اردو ترجمہ، ۸-۱۰۷؛ ابن ہشام، اول، ۲۱۴-۱۵؛ دونوں میں پہلی عبارت کے الفاظ ہیں "فلما فرغوا من البنیان وبنوھا علی ما ارادوا قال الزبیر بن عبد المطلب فیما کان من امر الحیۃ التی کانت قریش تھاب بنیان الکعبۃ لھا:۔

۳۹ھ سلیمان منصور پوری، دوم، ۸۸ بحوالہ انسان العیون جلد اول ص۱۳۵

۴۰ھ زبیر بن عبدالمطلب ہاشمی کی شخصیت و کردار اور حیات و آثار کا یہ تجزیہ ابھی ناقص ہے کہ مواد کی قلت اور مورخین کی جانبداری نے اس کی راہ میں بڑے روڑے کھڑے کر دئے ہیں لیکن یہ بہر حال حتمی ہے کہ ابھی بہت سا مواد دوسرے مآخذ میں موجود ہے جن تک ہماری رسائی سر دست نہیں ہے۔

۴۱ھ ابن حزم، جمہرہ، ۱۵؛ ابن سعد، ہشتم، ۴۷-۶؛ واقدی، ۶۹۴ (ام الحکم) اور ۶۹۴، ۲۷ (ضباعہ)؛ ابن اثیر، اسد الغابہ پنجم، ضباعہ، ام الحکم، ام حکیم کے تراجم، دیار بکری، تاریخ الخمیس، مطبعۃ عثمانیہ مصر ۱۳۰۲ھ، اول ۶-۱۸۵؛ دیار بکری کے بیان کو شامل کر لیا جائے تو زبیر بن عبدالمطلب کی اولادوں کی تعداد نو ہو جاتی ہے، پانچ بیٹے اور چار بیٹیاں۔

۴۲ھ دیار بکری، اول ۶ - ۱۸۵ - ابن اثیر، سوم، ۴ ۵ - ۱۵۳
۴۳ھ ابن سعد، ہشتم ۷ - ۴۶ ؛ ابن حجر، اصابہ، چہارم ۳۲۹، ۶۵۲ (نساء) (صفیہ) بحوالہ ابن سعد۔ انھوں نے صفیہ کا الگ وجود تسلیم کیا ہے۔ نیز چہارم ۴۲۴، ۱۲۷۳ (نساء) جس میں ابن سعد کے بیان کو نقل کر دیا ہے کہ ام الزبیر حضرت ضباعہ کی بہن تھیں۔ ابن عبدالبر نے ام الزبیر کا ذکر نہیں کیا ہے اور نہ ہی صفیہ بنت زبیر کا۔
۴۴ھ ابن سعد، ہشتم، ۷ - ۴۶ ؛ ابن اثیر، پنجم ۹۵۴۔ نیز ابن اثیر، چہارم، ۱۱ - ۴۰۹، نے حضرت مقداد بن عمرو بہرانی کے طویل خاکے میں ان کی ازواج و اولاد کا قطعی حوالہ نہیں دیا ہے البتہ ان کے مناقب اور عہد نبوی کے بعض واقعات کے بعد خلافت عثمانی میں ان کی ستر سال کی عمر میں وفات کا مزور ذکر کیا ہے۔ نیز ابن حجر، اصابہ چہارم ۳۰ - ۴۳۲، ۶۷۲ نساء (ضباعہ)، ابن عبدالبر، الاستیعاب، چہارم ۳ - ۳۴۲۔ حضرت مقداد بن عمرو سے شادی، ان کے دو بچوں عبداللہ و کریمہ، عبداللہ کی حضرت عائشہ کے ساتھ جمل میں موجودگی، اور شہادت کے علاوہ مختصر ذکر حدیث اشتراط حج کا ہے۔ اور ان کے راوی عروہ اور اعرج کا۔

نیز ابن سعد، سوم، ۶۳ - ۱۶۱، نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ضباعہ سے ان کی شادی کا ذکر کیا ہے جو مکہ مکرمہ میں ہوئی تھی اور ان کی اولاد میں حضرت کریمہ کے حوالہ سے دو تین روایات بیان کی ہیں جن میں ایک یہ ہے کہ غزوہ بدر میں ان کے پاس ایک گھوڑا تھا، ستر سال کی عمر میں ۳۳ھ میں ان کی وفات ہوئی۔
۴۵ھ ابن سعد، ہشتم، ۷ - ۴۶، ابن اثیر، پنجم، ۸ - ۵۷۷ اور ۶ - ۵۷۵ بالترتیب ام حکیم بنت الزبیر اور ام الحکم بنت الزبیر کے بیے ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی التسبیح عند النوم (۳۱۶/۴)؛ کتاب الخراج والامارۃ والفئ، باب فی بیان موضع تقسیم الخمس وذی القربیٰ (۱۵۰/۲)

ابن اثیر، دوم ۷ - ۱۶۶، نے حضرت ربیعہ بن حارث کو حضرت ابوسفیان بن حارث ہاشمی کا بھائی اور اپنے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب ہاشمی سے دو سال بڑا اور حضرت عثمان بن عفان اموی کا شریک بتانے کے علاوہ، خلافت فاروقی میں ۲۳ھ میں مدینہ میں ان کی وفات کا ذکر کیا ہے لیکن ان کی آل اولاد کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔

ابن عبدالبر، الاستیعاب، برحاشیہ اصابہ، ۴ - ۴۹۳، نے ربیعہ بن حارث کے خاکے میں ان کے ماں باپ کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی ان کے اپنے فرزند و دختروں کا۔ سوائے مقتول فرزند کے۔ ابن اثیر نے ربیعہ بن حارث کا ذکر ہی نہیں کیا۔

ابن عبدالبر، الاستیعاب، چہارم ۴۲۴، نے ام حکیم بنت زبیر کے خاکے میں ان کو حضرت ربیعہ کی بیوی ہونے اور اسلام لانے اور ہجرت کرنے کا ذکر کیا ہے اور گوشت کھانے کی حدیث کو ان کے

فرزند کے سند پر مروی ہونے کی بات کہی ہے۔ ام الحکم کے نام سے سوانحی خاکہ نہیں ہے۔

۴۶؎ ابن حجر، اصابہ، چہارم، ۴۲۵، ۱۲۲۰ (نساء)

۴۷؎ ابن حجر، اصابہ، چہارم، ۴۲۶، ۱۲۳۰ (نساء) در ترجمہ ام الحکیم بنت الزبیر۔ ابن حجر نے اس کے بعد کافی مفصل گفتگو حدیث نبوی کی تخریج پر کی ہے اور نتیجہ یہ نکالا ہے کہ ام حکیم حضرت ضباعہ کی کنیت تھی اور اسحاق بن راہویہ کی مسند پر بھروسہ کر کے مزید کہا ہے کہ ام حکیم یعنی ضباعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھانا بناتی تھیں (ان ام حکیم بنت الزبیر وھی ضباعۃ کانت تصنع للنبی صلی اللہ علیہ وسلم الطعام) اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ ام حکیم ضباعہ تھیں اور ام الحکم بنت الزبیر دوسری تھیں اور حضرت ربیعہ بن حارث کی بیوی تھیں۔ جیسا کہ ابن سعد نے کہا ہے۔

مولانا سید جلال الدین عمری کی ایک اہم تصنیف

اسلام میں خدمت خلق کا تصور

خدمت خلق کا صحیح تصور۔ غلط تصورات کی تردید۔ خدمت خلق کا اجر و ثواب۔ خدمت کے مستحقین۔ وقتی خدمات۔ رفاہی خدمات۔ خدمت کے لیے انفرادی و اجتماعی جدوجہد۔ موجودہ دور میں خدمت کے تقاضے اور ان پر عمل کی شکلیں۔ مصنف کے جاندار قلم نے ان تمام گوشوں کو نکھار دیا ہے۔ صفحات : ۱۷۶ قیمت : ۲۵ روپیے

وقت کے اہم موضوع پر اس پہلی مستند کتاب کا انگریزی ترجمہ

THE CONCEPT OF SOCIAL SERVICE IN ISLAM

کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے

صفحات : ۱۶۵ ——— قیمت : ۵۰ روپیے

ملنے کا پتہ : مکتبہ تحقیق و تصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ